تسلسلات امدادیہ - مرتبہ ڈاکٹر ماجد علی خان صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت قدرے بہتر صفحات ۴۰، قیمت ۲ روپیہ، پتہ مولوی نصیر الدین کتب خانہ اختری متصل مظاہر علوم سہارنپور۔

یہ کتابچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے مختلف سلاسل اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مختصر حالات پر مشتمل ہے، شروع میں شجرہ کی حقیقت، سلاسل کی تاریخ، ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی ابتدا اور مشائخ چشت کے نظام اصلاح اور طریقہ تربیت پر بھی مختصر گفتگو کی گئی ہے، یہ رسالہ خصوصیت سے حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ سے منسلک و متوسل لوگوں کی قدردانی کے لائق ہے۔

بادۂ عرفاں از جناب حفیظ بنارسی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۹۶، مجلد مع گرد پوش، قیمت: پانچ روپیہ، پتے:- پروفیسر حفیظ بنارسی، ہلکی محلہ آرہ (۲) پروفیسر حفیظ بنارسی ۱۱۶، بازار سدانند بنارس (۳) کتاب منزل سبزی باغ پٹنہ

جناب حفیظ بنارسی خوش فکر و خوش گو شاعر ہیں، اُن کی غزلوں کا مجموعہ "درخشاں" پہلے چھپ چکا ہے، اور اس پر معارف میں تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے، اب انھوں نے "بادۂ عرفاں" کے نام سے اپنا دوسرا مجموعۂ کلام شائع کیا ہے، یہ حفیظ صاحب کے دینی ذوق اور ایمانی جذبہ کا ثبوت اور حمد و مناجات اور نعت و منقبت سے متعلق نظموں اور رباعیوں کا مجموعہ ہے، اس کا زیادہ حصہ نعتوں پر مشتمل ہے، عموماً نعت گو شعراء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور جوش عقیدت میں حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں لیکن حفیظ صاحب حقیقت شناس ہیں انھوں نے آپ کے اوصاف و کمالات کی طرح آپ کی اعلیٰ سیرت و کردار اور مقدس تعلیمات و ہدایات کا ذکر بھی کیا ہے، امید ہے کہ عقیدتمندان رسالت اس پُرکیف بادۂ عرفاں سے سرشار اور لطف اندوز ہوں گے،

"ض"

۲۴۱

جلد ۱۱۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۷۴ء عدد ۴

مضامین

شذرات

خدا کا شکر ہے کہ کئی برسوں کی بندش کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کھل گئی۔ امید ہے کہ جلد ہی آمد و رفت کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ اس مدت میں ان لوگوں کے دلوں پر جن کے اعزہ پاکستان میں ہیں جو گذر گئی اس کا اندازہ بھی دونوں ملک نہیں کر سکتے۔ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے بلکہ خیریت معلوم کرنے تک کو ترس گئے۔ کتنے لوگ مر گئے جن کے اعزہ انکو نہ دیکھ سکے۔ اس حیثیت سے ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کا مسئلہ انسانی اور اخلاقی بھی ہے۔ کاش دونوں کے درمیان دوسرے معاملات بھی اسیطرح طے ہو جاتے تو سب کو سکون و اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان اگرچہ سیاسی حیثیت سے دو ملک بن گئے ہیں۔ لیکن قدرتی لحاظ سے وہ ایک وحدت ہیں۔ اور ان کے درمیان اتنے گوناگون رشتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے نہیں ٹوٹ سکتے۔ ان کو توڑنے میں دونوں کا نقصان ہے چنانچہ گذشتہ لڑائیوں کے نتائج آج تک دونوں ملک بھگت رہے ہیں۔ اگر ان کو زندہ رہنا اور ترقی کرنا ہے تو ان کے لیے صلح و مسالمت کے سوا کوئی راہ نہیں رہے۔

~~~~~~~~~~~~~~

مسلمانوں کی ایک بڑی بدبختی ان کا باہمی اختلاف ہے جسکی پوری تاریخ گواہ ہے۔ کہ ان کو سب سے زیادہ نقصان آپس کے اختلاف سے پہنچا اور بیشتر اسلامی حکومتیں دو مردوں سے نہیں بلکہ اپنوں کے ہاتھوں تباہ ہوئیں، اب زمانہ کے حالات نے اتحاد کا احساس پیدا کر دیا ہے۔

شذرات ۲۴۳ اکتوبر ۵۵ء

اور اسکی کوشش برابر جاری ہے مگر اب بھی کہیں کہیں سے جنگ و اختلاف کی آواز اٹھ جاتی ہے۔ جو اپنی کم دو مردن کی آواز بازگشت زیادہ ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں بھی جب کہ ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ملک آزاد ہو چکے ہیں انکی خارجہ پالیسی کی باگ بڑی قوتوں کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنی مصلحتوں کے مطابق اس کو موڑتی رہتی ہیں، اور جو ملک آزادی سے کام لیتا ہے اسکے خلاف کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیتی، اور خود اہل ملک کے ذریعہ انقلاب پیدا کرا دیتی ہیں، اسوقت انکی نگاہ میں پاکستان بہت کھٹک رہا ہے، وہ چین کی طرف مائل ہے، عرب ملکوں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ ہے، اور عرب حکومتوں کی مختلف ضرورتوں میں امداد و رہنمائی کرتا ہے جسکو روس اور امریکہ دونوں ناپسند کرتے ہیں، امریکہ تو تعلقات کی بنا پر خاموش ہے، لیکن روس اسکو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا چنانچہ افغانستان کے انقلاب اور پاکستان کو جو اندرونی و بیرونی مشکلات درپیش ہیں ان دونوں میں اسکا ہاتھ ہے، اسلئے اسکی ضرورت ہے کہ ملک فیصل یا انکی جیسی دوسری شخصیت اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں اور جسکی زیادتی نظر آئے، اس پر دباؤ ڈالیں ورنہ بڑی قوتیں اس قسم کے تماشے برابر کرتی رہیں گی۔

~~~~~~~~~~~~~~

مسلم یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر ڈاکٹر علی محمد خسرو مقرر ہوئے ہیں، انکی فنی شہرت ایک خاص حلقہ میں محدود تھی اسلئے ان سے کم لوگ واقف تھے، وائس چانسلری کے سلسلہ میں انکے اوصاف اور کمالات علم ہوا، دلی کے مسلم اخبارات نے ان کے متعلق بہت اچھے خیالات اور ان سے بڑی توقعات ظاہر کی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یونیورسٹی کیلئے مفید ثابت ہونگے، انھوں نے اپنی ایک تقریر میں بھی کہا ہے کہ وہ یونیورسٹی کی آزادی بحال کرانے کی کوشش کرینگے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ میں حکومت کی پالیسی کچھ بدلی ہے، ورنہ علانیہ وہ اس قسم کا خیال ظاہر نہ کرتے مسلم یونیورسٹی کا سب سے بڑا مسئلہ اسکے اقلیتی کردار کا تحفظ ہے، اسکے بغیر اسکی آزادی کے کوئی معنی نہیں اگر اسمیں نئے وائس چانسلر صاحب کامیاب ہو جاتے ہیں تو

یہ انکا بڑا کارنامہ ہوگا، اور یونیورسٹی کی تاریخ میں انکا نام زندہ رہیگا، اس معاملہ مین حکومت نے بعض نام نہاد مسلمانوں کے مشورے سے ایک غلط قدم اٹھادیا جس سے مسلمانوں میں بے اعتمادی اور بددلی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، جو حکومت کیلئے کوئی اچھی شکل نہیں ہے، اس غلط فیصلہ پر قائم رہنا دوسری غلطی ہوگی، مسلم یونیورسٹی آزادی اور کردار کو برقرار رکھنے میں حکومت کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس سے وہ مسلمانوں کا دل جیت سکتی ہے،

~~~~~~~~~~ ※ ~~~~~~~~~~

اگرچہ شعرالعجم کے فارسی ترجمہ کی بات بہت پرانی ہوچکی مگر اس سے کم لوگ واقف ہونگے اسلئے اسکا مختصر ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، یہ ترجمہ برسوں پہلے ایران میں ہوچکا تھا، اسکی ایک جلد عرصہ ہوا نظر سے گذری تھی، مگر مکمل سٹ ابھی ایرانی سفارت خانے نے بھیجا ہے اور یہ اسکا دوسرا اڈیشن ہے، اسکے مترجم سید محمد تقی فخر داعی گیلانی پرانے لوگوں میں تھے علامہ شبلی کے زمانہ مین ہندوستان آئے تھے اور ان سے ملے بھی تھے جسکا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں ہے، پانچوں جلدوں میں مترجم کے دیباچے ہیں جنمیں انکی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، تیسری جلد میں ایران کے نامور فاضل آقائے سعید نفیسی کا مقدمہ بھی ہے اس جلد کا ترجمہ عرصہ ہوا افغانستان کے مشہور شاعر اور ادیب، سرور خان گویا نے بھی کیا تھا انکا دستخطی نسخہ یہاں موجود ہے اس سے ایران وافغانستان میں شعرالعجم کی مقبولیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اسکی متقدین تو لوگ بھول چکے لیکن وہ اب تک زندہ اور چمنستان شیراز تک اس کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان کی مشہور ومقبول کتاب اردو غزل کا نیا اڈیشن مع جدید اضافون کے دارالمصنفین سے شائع ہوا ہے، جو پہلے سے زیادہ جامع مکمل ہے، اسکی ضخامت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ تعداد۔ صفحات۔ قیمت:۔ ۲۰ بیس روپیے

مقالات

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی نقد حدیث)

از جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۶)

خارجی نقد کے بعض اصول داخلی کے ساتھ خاص ہیں

داخلی نقد حدیث کے ان مستقل اصول وقواعد کے علاوہ خارجی نقد کے جو اصول مقرر ہیں انکا تعلق بھی داخلی نقد سے ہے۔

فعلم مصطلح الحدیث بطبیعة تعریفه لایقتصر علی مباحث الاسناد بل یجاوزها الی المسائل المتعلقة بالمتن ایضاً[1]

اصطلاح حدیث کا علم اپنی طبیعت کے لحاظ سے "سند" کے مباحث کیلیے خاص نہیں ہے بلکہ متن سے متعلق جو مباحث ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔

بعض "اصول" داخلی نقد حدیث کے لیے خاص ہیں، مثلاً"

مرفوع

هو ما ینتهی الی النبی صلی الله

وہ حدیث (متن) جس کی سند کی انتہا

---

[1] ڈاکٹر صبحی الصالح: علوم الحدیث ومصطلحہ الفصل السابع
~~~~~~~~~~

علیہ وسلم غایۃ الاسناد[1] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔

صحابیؓ اس قسم کے الفاظ استعمال کرے:

(۱) میں نے رسول اللہ سے فلاں بات سنی (۲) رسول اللہ نے ہم سے فلاں حدیث بیان کی (۳) رسول اللہ نے یہ فرمایا (۴) رسول اللہ سے یہ روایت ہے (۵) میں نے رسول اللہ کو فلاں کام کرتے دیکھا (۶) رسول اللہ فلاں کام کرتے تھے (۷) میں نے رسول اللہ کی موجودگی میں فلاں کام کیا (۸) رسول اللہ کی موجودگی میں فلاں کام کیا گیا۔ آخر کی دونوں صورتوں میں راوی (صحابی) جب رسول اللہ کا انکار نہ ذکر کرے۔

موقوف

هو ما ينتهي الى الصحابي غاية الاسناد[2] — وہ حدیث (متن) جس کی سند کی انتہا صحابی تک پہنچے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے:

من السنة وضع الكف على الكف في الصلوٰة تحت السرة[3] — نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔

مقطوع

هو ما ينتهي الى التابعي[4] — وہ حدیث جسکی سند کی انتہا تابعی تک پہنچے،

جیسے کہا جائے کہ عطا یا طاؤس (تابعی) پر فلاں فلاں شخص نے فلاں حدیث کو موقوف کیا،[5]

---

۱ ابن حجر عسقلانی: نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر۔ المرفوع ۲ ایضاً

۳ فتح المغیث: فروع ص ۴۳ ۴ ابن صلاح: مقدمہ ابن صلاح النوع السابع معرفۃ الموقوف ۵ ایضاً

مختلف الحدیث

الحديث الذي عارضه حديث وقد امكن الجمع بين مدلوليهما من غير تعسف[1] — وہ حدیث جس کی دوسری حدیث معارض ہو اور کسی دشواری کے بغیر دونوں کے مفہوم کو جمع کرنا ممکن ہو۔

ایک حدیث میں ہے:

لا عدوى ولا طيرة في الاسلام[2] — اسلام میں چھوت لگنے اور بدشگونی کا عقیدہ نہیں ہے۔

دوسری میں ہے

فر من المجذوم فرارك من الاسد[3] — جذامی (کوڑھی) سے ایسے ہی بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرض اپنی خاصیت کے لحاظ سے دوسرے کو چھوت سے نہیں لگتا، ورنہ ہر پاس اٹھنے بیٹھنے والے کو لگ جایا کرتا، بلکہ جب اللہ چاہے تو دوسرے کو لگ سکتا ہے، چونکہ مرض لگنا اللہ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے اور انسان کو بیماری کی خاصیت سمجھ لیتا ہے، اس بنا پر دوسری حدیث میں ممانعت کر دی گئی، اور پہلی میں عقیدہ کی اصلاح کی گئی،

ناسخ و منسوخ

ان لم يمكن الجمع فلا يخلو اما ان يعرف التاريخ او لا فان عرف — اگر دو معارض حدیثوں میں جمع ممکن نہ ہو تو دونوں کی تاریخ کو دیکھا جائے گا اگر

---

۱ نزہۃ النظر۔ مختلف الحدیث ۲ ایضاً حاشیہ ۳ ایضاً حاشیہ

وثبت المتاخر به فهو الناسخ والآخر المنسوخ[1]

تاریخ کے لحاظ سے ایک مقدم اور دوسرا موخر ہے تو پہلی منسوخ اور دوسری ناسخ ہوگی۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا پھر اس کی اجازت دی۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروها فانها تذکر الآخرۃ[2]

میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب زیارت کیا کرو، آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

خارجی نقد کے بعض اصول دونوں میں مشترک ہیں

بعض اصول داخلی و خارجی دونوں میں مشترک ہیں، مثلاً حدیث کی پہلی تقسیم صحیح، حسن اور ضعیف کی طرف کیجاتی ہے اور حدیث صحیح کی درج ذیل شرط داخلی نقد سے متعلق ہے۔

ولا یکون شاذا ولا معللا[3]

وہ حدیث جو شاذ اور معلل نہ ہو۔

شاذ

ما یخالف الراوی الثقة فیه بالزیادۃ او النقص فی السند او فی المتن الملأ ای الجماعة الثقات من الناس بحیث لا یمکن الجمع بینهما[4]

الفاظ حدیث کی زیادتی یا کمی میں ثقہ راوی ثقہ جماعت کی مخالفت کرے اور دونوں کے درمیان جمع ممکن نہ ہو، یہ مخالفت کبھی سند اور کبھی متن میں ہوتی ہے۔

"متن" میں شاذ کی مثال موسیٰ بن علی بن رباح سے مروی وہ روایت ہے جس میں ایام تشریق کی تعداد میں یوم عرفہ کو بھی شامل کیا گیا ہے، جبکہ دوسری تمام روایتوں میں عرفہ شامل نہیں۔[5]

---

[1] نزہۃ النظر، ناسخ و منسوخ [2] ایضاً [3] ابن صلاح: مقدمہ ابن صلاح۔ النوع الاول معرفۃ الصحیح
[4] فتح المغیث بشرح الالفیۃ۔ الحدیث الشاذ۔ [5] ایضاً

معلل

هو الحدیث الذی اطلع فیه علی علة تقدح فی صحته مع ان الظاهر السلامة منها[1]

وہ حدیث جس میں کسی علت کی وجہ سے اس کی صحت مجروح ہو جائے حالانکہ ظاہر میں کوئی خرابی نہ معلوم ہو۔

"علت" سے مراد وہ خفی اور باریک اسباب ہیں جو حدیث میں خرابی پیدا کردیں، مثلاً منقطع کو متصل اور موقوف کو مرفوع بنادیں یا کسی حدیث کو دوسری میں داخل کردیں یا اسکے مثل جو بھی تبدیلی حدیث کی صحت کو مجروح کردے، وہ علت میں داخل ہوگی۔[2]

"علت" سند اور متن دونوں میں پائی جاتی ہے، "متن" میں علت کی مثال وہ روایت ہے جس میں حضرت انس سے نماز کے شروع میں بسم اللہ الخ پڑھنے کی نفی اور قرأت کی ابتدا الحمد للہ سے ثابت ہوتی ہے، جبکہ دوسری روایتوں میں بسم اللہ الخ کا ثبوت موجود ہے۔[3]

منکر

انه الحدیث الذی ینفرد به الرجل ولا یعرف متنه من غیر روایته لا من الوجه الذی رواه منه ولا من وجه آخر[4]

وہ حدیث جس کا راوی تنہا ہو اور اس شخص کی روایت کے علاوہ نہ اس طریق سے اور نہ دوسرے طریق سے حدیث کے متن کا پتہ چل سکے۔

مثلاً جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا تشریف لے جاتے تو انگوٹھی نکال دیتے تھے، ابوداؤد نے اس کو "منکر" اور نسائی نے اس کو "غیر محفوظ" کہا ہے، مزید تفصیل مقدمہ ابن صلاح

---

[1] مقدمہ ابن صلاح النوع الثامن عشر معرفۃ الحدیث المعلل [2] ایضاً و شیخ عبدالعزیز خولی: تاریخ فنون الحدیث
او مفتاح السنۃ۔ علل الحدیث [3] فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث۔ المعلل [4] مقدمہ ابن صلاح معرفۃ المضطرب

کی شرح "التنقید و الایضاح" میں دیکھنی چاہیے۔[1]

مضطرب

هو الذی یختلف الروایة فیه — وہ حدیث جس میں روایت کے الفاظ
فیرویه بعضهم علی وجه وبعضهم — مختلف ہوں کوئی راوی کسی طرح روایت کرے
علی وجه آخر مخالف له[2] — اور کوئی اسکے مخالف طریقے سے روایت کرے

مثلاً ایک روایت میں ہے

ان فی المال حقا سوی الزکوٰة[3] — مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔

دوسری روایت میں ہے

لیس فی المال حق سوی الزکوٰة[3] — مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی حق نہیں ہے۔

مصحف

هو تغییر لفظ او معنی اما تصحیف — لفظ یا معنی کو بدل دینا سننے کی غلطی سے
سمع او بصر[4] — ہو یا دیکھنے کی غلطی سے ہو

مثلاً روایتوں میں ہے

من صام رمضان واتبعه — جس نے رمضان کے روزے رکھے اور
ستا الخ — اس کے ساتھ چھ شوال کے روزے رکھے الخ

ابوبکر صولی نے ستاً (چھ) کو شیئاً (کچھ) روایت کیا ہے،[5]

---

[1] التنقید و الایضاح معرفة المنکر [2] محمد بن محمد علی فارسی: جواہر الاصول فی علم الحدیث الرسول۔ المضطرب [3] حاشیہ نزہۃ النظر ص ۶۵ [4] جواہر الاصول۔ المصحف [5] ڈاکٹر صبحی صالح علوم الحدیث و مصطلحہ الفصل الخامس

مقلوب

هو الحدیث الذی انقلب فیه — وہ حدیث جس میں کسی راوی سے متن میں
علی احد الرواة لفظ فی المتن — کوئی لفظ الٹ جائے یا سند میں کسی
او اسم رجل او نسبة فی الاسناد — راوی کا نام یا نسب الٹ جائے یعنی
فقدم ماحقه التاخیر او اخر — جس کو مقدم ہونا چاہیے وہ موخر ہوجائے
ماحقه التقدیم او وضع شیئ — اور جسکو موخر ہونا چاہیے وہ مقدم ہوجائے
مکان شیئ۔[1] — یا کسی نام و لفظ کی جگہ کوئی دوسرا نام و لفظ رکھ دیا جائے

متن کی مثال وہ روایت ہے جس میں اس حد تک مخفی طریقہ سے صدقہ کرنے کا ذکر ہے کہ "بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے"، بعض روایت میں دایاں کی جگہ بایاں کر دیا گیا ہے،[2]

مدرج

المدرج هو الحدیث الذی — وہ حدیث ہے جس کے متن یا سند میں ایسی
اطلع فی متنه او اسناده علی — زیادتی کا پتہ چلے جو اس کا جز نہیں
زیادة لیست منه[3] — ہے،

مثلاً حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا

اسبغوا الوضوء فان ابا القاسم — پورا وضو کیا کرو کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال ویل — نے فرمایا ہے افسوس وہ ایڑیاں جو دوزخ
للاعقاب من النار[4] — میں جائیں گی (یعنی خشک رہ جانے کی وجہ سے)

[1،2] علوم الحدیث و مصطلحہ الفصل السابع۔ المقلوب [3] ایضاً۔ المدرج [4] حاشیہ جواہر الاصول۔ المدرج

"اسبغوا الوضوء" حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے جو حدیث میں داخل ہے۔

خارجی نقد کے اور بھی بعض اصول ہیں جو دونوں میں مشترک کیے جاتے ہیں جس کی بنا پر محدثین نے درایت کی ایسی تعریف کی ہے جو دونوں پر صادق آتی ہے، جیسا کہ درایت کی عام اصطلاحی تعریف میں تفصیل گذر چکی۔

اکثر و بیشتر خارجی و داخلی نقد میں ٹکراؤ نہیں ہوتا

اسی اشتراک کی وجہ سے اکثر و بیشتر خارجی و داخلی نقد میں ٹکراؤ نہیں ہوتا، بلکہ خارجی نقد (سند) کے لحاظ سے جو حدیث صحیح ہوتی وہ داخلی (متن) کے لحاظ سے بھی صحیح ہوتی ہے، اسی طرح داخلی نقد کے لحاظ سے جو صحیح ہوتی وہ خارجی لحاظ سے بھی صحیح ہوتی ہے،

فالغالب علی السند الصحیح — اکثر سند صحیح متن صحیح پر منتہی ہوتی ہے
ان ینتھی بالمتن الصحیح والغالب — اور اکثر متن صحیح معقول جو حس کے
علی المتن المعقول المنطقی — مخالف نہ ہو سند صحیح کی طرف
الذی لا یخالف الحس ان — لوٹایا جاتا ہے۔
یرد عن طریق سند صحیح[1]

لیکن سند و متن کی صحت کے درمیان تلازم نہیں ہے، یعنی جب ایک صحیح ہو تو لازمی طور سے دوسرا بھی صحیح ہو، یا ایک حسن و ضعیف ہو تو لازمی طور سے دوسرا بھی حسن و ضعیف ہو۔

لا تلازم بین السند والمتن — سند اور متن کے درمیان صحت و حسن
فی الصحۃ وغیرھا[2] — وغیرہ میں تلازم نہیں ہے۔

---

[1] ڈاکٹر صبحی الصالح: علوم الحدیث و مصطلحہ - الفصل السابع [2] حسن محمد المشاط: رفع الاستار عن محیا مخدرات طلعۃ الانوار شرح الراجی الفوز علی الصراط، تنبیہ لا تلازم بین السند والمتن فی الصحۃ وغیرہا۔

ولا یختص ذلک بالصحیح — یہ بات صحیح یا حسن کے ساتھ خاص نہیں ہے
او الحسن بل یجری فی الضعیف ایضاً[1] — بلکہ ضعیف میں بھی پائی جاتی ہے۔

چنانچہ محدثین جب "سند" کی صحت وغیرہ کا حکم لگاتے ہیں تو "متن" کے لیے لازم نہیں ہوتا، اسی طرح جب "متن" کے بارے میں کوئی حکم لگاتے ہیں تو وہ "سند" کے لیے لازم نہیں ہوتا،[2]

ٹکراؤ کی پہلی صورت

(۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خارجی نقد (سند) کے لحاظ سے حدیث صحیح ہوتی، لیکن داخلی نقد کے لحاظ سے پایۂ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے،

قد یصح السند او یحسن لاتصالہ — کبھی سند۔ اتصال۔ راویوں کے ثقہ اور
وثقۃ رواتہ وضبطھم دون — انکے ضبط کی وجہ سے صحیح ہوتی لیکن "متن" شذوذ
المتن لشذوذ او علۃ[3]. — اور علت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا۔

محدث ابن جوزی کہتے ہیں

وقد یکون الاسناد کلہ ثقات — کبھی کل سندیں ثقہ ہوتی ہیں پھر
ویکون الحدیث موضوعا — بھی حدیث موضوع یا مقلوب
او مقلوبا[4] — ہوتی ہے۔

اس کی دو شکلیں

اس کی عموماً دو شکلیں ہوتی ہیں

(الف) بعض بددین اور جھوٹے راوی کسی موضوع حدیث کو ثقہ راویوں کی حدیث میں داخل کر دیتے، پھر یہ داخل شدہ حدیث ثقہ راوی کی حدیث سمجھکر روایت کی جاتی، مثلاً ابن ابی العوجاء جو حماد بن سلمہ کا ربیب (سوتیلا لڑکا) تھا، وہ ثقہ راویوں کی حدیث

---

[1] حسن محمد المشاط، رفع الاستار عن محیا مخدرات طلعۃ الانوار شرح الراجی الفوز علی الصراط - تنبیہ لا تلازم بین السند والمتن فی الصحۃ وغیرہا [2،3] ایضاً [4] ابن جوزی کتاب الموضوعات ج ا باب ثالث فی الامر بانتقاد الرجال والتحذیر

میں یہ حرکت کیا کرتا تھا۔ یا عبد اللہ بن صالح کا ایک پڑوسی تھا جس کو عبد اللہ سے عداوت تھی، وہ حدیثیں وضع کر کے عبد اللہ کے شیخ کی طرف منسوب کر دیتا یا اس کے خط کے مشابہ لکھکر اسکے گھر پھینک دیتا اور عبد اللہ اس کو غلطی سے اپنا خط سمجھکر اس حدیث کو روایت کرتا تھا، جسکی وجہ سے اس کی حدیثوں میں بعض منکر حدیثیں شامل ہو گئی ہیں، حالانکہ عبد اللہ لیث کا کاتب اور سچا آدمی تھا۔ اوپر موضوعات میں یہ حدیث گذر چکی ہے جو اسی قبیل کی ہے۔

ان سفینۃ نوح طافت بالبیت	نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کے
سبعا وصلت خلف المقام	سات چکر لگائے اور مقام ابراہیم کے
رکعتین	پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔

(ب) کوئی راوی جھوٹے اور ضعیف لوگوں سے حدیث سنتا جس کو یہ لوگ اپنے شیخ سے روایت کرتے تھے لیکن روایت حدیث میں حرص کی وجہ سے یہ راوی درمیان سے جھوٹے اور ضعیف لوگوں کے نام نکال کر براہ راست شیخ سے روایت کرنے لگتا تھا، جس سے حدیث مقلوب ہو جاتی تھی، مثلاً بقیہ بن ولید کے شاگرد درمیان سے جھوٹے اور ضعیف راویوں کو ساقط کر کے اس کی حدیثیں بگاڑ دیتے تھے، یا عبد اللہ بن عطاء، عقبہ بن عامر سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں

من توضأ فاحسن الوضوء	جس شخص نے ٹھیک ٹھیک وضو کیا
دخل من ای ابواب الجنۃ	تو وہ جنت کے جس دروازے سے
شاء	چاہے گا داخل ہوگا۔

ایک شخص نے عبد اللہ سے پوچھا کہ تم سے کس نے یہ حدیث بیان کی کہا عقبہ نے، پھر پوچھا کیا تم نے خود عقبہ سے سنا ہے، کہا نہیں، مجھ سے سعد بن ابراہیم نے بیان کی، سعد سے پوچھا گیا تو

تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے زیاد بن مخراق نے بیان کی زیاد سے پوچھا گیا تو کہا کہ شہر بن حوشب نے بیان کی اور انھوں نے ابو ریحانہ سے روایت کی ہے۔ اس طرح مذکورہ حدیث میں درمیان سے کئی راویوں کو نکال کر حدیث کو مجروح کیا گیا۔

اسی طرح حدیث میں یہ سند "معمر عن محمد بن واسع عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ" اس میں شخصی طور پر یہ سب ثقہ ہیں لیکن معمر کا سماع ابن واسع سے اور ابن واسع کا سماع ابو صالح سے ثابت نہیں ہے۔[1]

ٹکراؤ کی دوسری صورت

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ داخلی نقد کے لحاظ سے حدیث صحیح ہوتی لیکن خارجی کے لحاظ سے وہ اس درجہ کی نہیں ہوتی۔

وکذالک قد یصح المتن او یحسن	کبھی متن صحیح یا حسن ہوتا ہے لیکن سند
دون السند[2]	ایسی نہیں ہوتی۔

اس کی شکل اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ

بان یجئی المتن من طریق آخر	"متن" دوسرے طریق سے بھی مروی ہو
سالم مما فی ھذا الطریق[3]	جیسے اس طریق والی خرابی نہ پائی جائے

مثلاً

اطلبوا العلم ولو بالصین[4]	علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

محدثین نے کئی طرق نقل کر کے سند کے لحاظ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے[5] لیکن عراقی نے کہا ہے۔

---

[1] ابن جوزی، کتاب الموضوعات ج ۱ الباب الثالث فی الالمام بالتنقد والرجال والتحذیر ص ۳۴ [2،3] حسن محمد المشاط، رفع الاستار تنبیہ لا تلازم بین السند والمتن الخ [4] ابن عبد البر جامع بیان العلم [5] جلال الدین السیوطی اللآلی المصنوعہ، کتاب العلم

قد صحح بعض الائمۃ بعض طرقہ[۱] — بعض اماموں نے اسکے بعض طرق کی تصحیح کی ہے

"مزی" نے کہا

ان طرقہ تبلغ بہ مرتبۃ الحسن[۲] — اسکی کئی سندیں اسکو "حسن" کے درجہ پر پہنچا دیتی ہیں

حدیث کا مفہوم اپنی جگہ صحیح ہے کیونکہ عرب وچین کے درمیان بعد المشرقین ہے، اور عرب کی بندرگاہوں میں چینی جہاز کی آمد ورفت رہتی تھی، اور بعض شہروں میں چینی مال فروخت ہوتا تھا۔[۳]

حدیث کا مفہوم سمجھنے میں اس لیے دشواری پیش آئی کہ حدیث میں علم سے دینی علم مراد لیا گیا جو چین میں موجود نہ تھا، حالانکہ اس سے "کائناتی علم" مراد ہے اور حدیث کا مقصد اس کی تحصیل کی ترغیب اور اس راہ کی مشقتوں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرنا ہے، جیسا کہ بیہقی نے "مدخل" میں کہا ہے،

العلم العام الذی لا یسع البالغ العاقل جہلہ[۴] — وہ عام علم جس سے کسی عاقل بالغ کو جاہل رہنے کی گنجائش نہ ہو۔

علم ما یطرأ لہ خاصۃ[۵] — وہ علم جس کی خاص طور سے ضرورت پیش آئے،

ٹکراؤ کی دوسری صورت کی پہچان زیادہ مشکل نہیں ہے، البتہ پہلی صورت کی پہچان زیادہ مشکل ہے۔

ھذا اصعب الاحوال[۶] — یہ (پہلی صورت) سب سے زیادہ دشوار حالت ہے

---

۱ سخاوی: المقاصد الحسنہ حرف الطاء، ۲ ایضاً ۳ ملاحظہ ہو مسعودی، مروج الذہب ومعادن الجواہر الباب الخامس عشر ذکر ملوک الصین والترک وتفرق، نیز ابن حبیب، المنجد اسواق العرب المشہورہ فی الجاہلیہ وما یقیم فیہا۔
۴ و ۵ سخاوی: المقاصد الحسنہ حرف الطاء ۶ ابن جوزی کتاب الموضوعات، الباب الثالث،

ٹکراؤ پر نقد حدیث کا ماہر ہی قابو پا سکتا ہے | اس کو ماہر فن ہی پہچان سکتا ہے،

ولا یعرف ذلک الا النقاد[۱] — اس کی معرفت نقد حدیث کے ماہر ہی کو حاصل ہوتی ہے

ولیس لہ دواء الا اتقان ھذا الفن والرسوخ فیہ[۲] — اس کا علاج اسکے سوا اور کوئی نہیں کہ فنی مہارت اور علمی رسوخ حاصل ہو

سہولت کے لیے خارجی و داخلی نقد کے ٹکراؤ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) غیر مستند کتب حدیث کی روایت میں ٹکراؤ۔

(۲) مستند کتب حدیث کی روایت میں ٹکراؤ،

غیر مستند کتب حدیث کی روایت میں ٹکراؤ دور کرنے کا طریقہ | اگر غیر مستند کتب حدیث کی روایت میں ٹکراؤ ہے تو پہلے مستند کتب کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر ان میں نظیر موجود ہے تو روایت کی حیثیت متعین کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی اور اگر کوئی نظیر نہیں ہے تو بالعموم خارجی نقد کے ذریعہ حدیث کی تحقیق ہو جائے گی،

ابن جوزی کہتے ہیں:

متی رأیت حدیثا خارجا عن دواوین الاسلام کالموطا ومسند احمد والصحیحین وسنن ابی داؤد ونحوھا نان کان لہ — جب تم کسی حدیث کو اسلام کے دواوین مؤطا، مسند احمد، بخاری ومسلم، سنن ابو داؤد اور اس کے مثل کتابوں سے خارج دیکھو اور اس کی نظیر صحیح وحسن

---

۱ ابن جوزی: کتاب الموضوعات، الباب الثالث ۲ محمد جمال الدین قاسمی: قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث بیان مزد الموضوعات۔

نظیر من الصحاح والحسان قرب أمره وان ارتبت فیه ورأیته یباین الاصول فتأمل رجال اسناده واعتبر احوالهم من کتابنا المسمی بالضعفاء والمتروکین فانك تعرف وجه القدح فیه[1]

حدیثوں میں موجود ہو تو اسکے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہے اور اگر تمھیں شک ہو نیز وہ حدیث "اصول" کے خلاف ہو تو سند اور راویوں کے حالات پر غور کرو۔ ہماری کتاب جس کا نام "کتاب الضعفاء والمتروکین" ہے اس سے راویوں کا حال معلوم ہو جائیگا اور حدیث میں خرابی کا پتہ چل جائیگا۔

بعض نے یہاں تک کہا ہے

"کلی قواعد میں یہ بات بھی داخل ہو کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنی انھیں کتابوں سے نقل کی جائیں جو متداول ہیں، کیونکہ یہ کتابیں محفوظ ہیں اور انکے علاوہ دوسری کتابوں میں زندیقوں اور ملحدوں نے موضوع حدیثیں شامل کر دی ہیں، جس کی بنا پر ہر وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔"[2]

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحیح حدیثیں صرف ان ہی کتابوں میں ہیں، ان کے علاوہ اور کہیں ان کا وجود نہیں ہے، امیر یمانی کی کتاب "توضیح الافکار لتنقیح الانظار فی اصول الحدیث" میں ایک مستقل باب "عدم انحصار الصحیح فی کتب الحدیث" کے نام سے ہے جس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔[3]

---

[1] ابن جوزی: کتاب الموضوعات، الباب الثالث [2] محمد صباغ: مقدمہ۔ الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ (موضوعات کبیر کا اصل نام) بحث لا یجوز نقل الاحادیث الا من الکتب المتداولۃ [3] امیر یمانی: توضیح الافکار۔ الموضوع۔

مطلب یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی صحت و شہرت کے لحاظ سے جو درجہ ان کتابوں کو حاصل ہے وہ دوسری کتابوں کو حاصل نہیں ہے۔

کتب حدیث کی تقسیم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صحت و شہرت کے لحاظ سے کتب حدیث کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے، جس سے ان کے درجے متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے،

(۱) پہلے طبقہ میں مؤطا، صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں

(۲) دوسرے میں ابوداؤد، جامع ترمذی، مسند احمد و نسائی ہیں، یہ کتابیں اگرچہ پہلے کے درجہ تک نہیں پہونچتیں لیکن ان کے قریب ہیں

(۳) تیسرے میں مسند ابن ابی شیبہ۔ مسند ابو یعلی۔ مسند طیالسی، مسند عبد ابن حمید مصنف عبدالرزاق اور بیہقی۔ طبرانی و طحاوی کی کتابیں۔ ان میں صحیح و غلط ہر قسم کی روایتیں شامل ہیں،

(۴) چوتھے میں ابن حبان و کامل عدی کی کتاب الضعفاء، خطیب، ابونعیم، جوزقانی ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی کتابیں نیز ابن فردویہ۔ ابن شاہین، ابو شیخ کی کتابیں اور مسند خوارزمی وغیرہ جو بعد میں مرتب ہوئیں، اور جن میں واعظ، صوفیا، اہل ہوا اور ضعفاء کی روایتیں، اسرائیلیات و حکماء کے اقوال وغیرہ کو خلط ملط کر کے سب کو شامل کر دیا گیا، "موضوعات" کا زیادہ ذخیرہ ان ہی کتابوں سے لیا گیا ہے،

(۵) پانچویں میں وہ روایتیں ہیں جو فقہا، صوفیا، مورخین وغیرہ کی زبان زد ہیں اور مذکورہ چاروں طبقوں میں انکی کوئی اصل نہیں ہے، ان میں بہت سی وہ روایتیں بھی ہیں جن کو ملحدوں اور بد دینوں نے قوی سند وضع کر کے روایت کیا جس سے اسلام کی اصل صورت مسخ ہوئی اور فتنہ و فساد برپا ہوا۔[1]

---

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ باب طبقۃ کتب الحدیث

حضرت شاہ صاحب مذکورہ طبقات کی حدیثوں کا حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

" پہلے اور دوسرے طبقہ کی حدیثیں محدثین کی معتمد علیہ اور ان کی توجہات کا مرکز ہیں، تیسرے طبقہ کی حدیثوں کو نقل کرنا اور قابل عمل ٹھہرانا ان محققین و ماہرین کا کام ہے جو اسماء رجال اور علل حدیث سے واقف ہیں، بسا اوقات ان سے متابعات و شواہد کا کام لیا جاتا ہے، چوتھے طبقہ کی حدیثوں کو جمع اور ان سے استنباط میں مشغول ہونا متاخرین کا ایک قسم کا غلو ہے۔[1]

اس لحاظ سے مستند کتب حدیث میں پہلے اور دوسرے طبقہ کی کتابیں شامل ہوں گی، تیسرے طبقہ کی حدیثوں میں ماہرین کی رائے و تحقیق ضروری ہے۔ (باقی)

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ باب طبقۃ کتب الحدیث

فرہنگ آصفیہ

(مولفہ سید احمد دہلوی)

اردو زبان کا یہ سب سے مشہور اور مستند لغت جو چار جلدوں پر مشتمل ہے، ترقی اردو بورڈ نے اپنے اہتمام میں آفسٹ یعنی فوٹو کے ذریعہ نہایت عمدہ اور دیدہ زیب چھپوایا ہے، یہ لغت کیا ہے؟ عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سنسکرت اور انگریزی کے ان الفاظ کو معانی کے ساتھ جو اردو زبان میں داخل ہیں، اردو کی پوری انسائیکلوپیڈیا ہے۔

اول	۴۰ روپئے	دوم	۲۵ روپئے
سوم	۴۰ "	چہارم	۴۵ "

نیشنل اکاڈمی ۹۔ انصاری مارکٹ، دریا گنج، دہلی

عہد ہشام کا سندھ

از۔ جناب ڈاکٹر عبد الباری لکچرار عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(۲)

ہشام کی تخت نشینی سے قبل سندھ کے حالات کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ تخت نشینی کے فوراً بعد ہی خلیفہ نے اپنی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایک مشہور اور مدبر سپہ سالار جنید بن عبد الرحمٰن کو ۱۰۶ھ میں سندھ کا گورنر بناکر بھیجا تاکہ سندھ کی صوبائی حکومت کا انتظام مکمل طور پر مرکزی اقتدار کے تحت آجائے۔ اور اندرونی شورشوں کا سد باب ہوجائے۔ ساتھ ہی اس کی ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے ملحقہ سرحدوں کو بھی بیرونی خطرات سے پاک کرکے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

جنید نے ۱۰۶ھ میں سندھ پہونچ کر وہاں کے نومسلم حاکم حلیشا جو غالباً جے سید (جے سنگھ) کی عربی میں بگڑی ہوئی شکل ہے۔ سے حکومت کی باگ ڈور واپس لینی چاہی۔ جے سنگھ نے انکار کے بعد ارتداد کا راستہ اختیار کیا اور جنگ پر آمادہ ہوگیا۔ چنانچہ دریائے سندھ میں ہی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی، جے سنگھ کو شکست ہوئی، اور وہ جنگ میں مارا گیا۔ سندھ کے صوبہ سے ملحق ایک دوسری ریاست

[5] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۲۹-۳۰

کیرج[۵۱] کے راجہ "الراہ" (راء) نے بھی مرکزی اقتدار کی خلاف ورزی کی تھی چنانچہ
جنید نے یہاں کے حالات درست کرنے کے لیے اس ریاست کی طرف پیش قدمی کی
تھی۔ کیرج کے محل وقوع کے بارہ میں مقامی مورخین اور مستشرقین دونوں کے
یہاں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایلیٹ اور ڈاؤسن نے اس کو کچھ (سوراشٹر)
کے علاقہ میں بتایا ہے۔[۵۲] مگر بلاذری کی روایت کا بغور مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا
ہے کہ یہ مقام راجستھان میں موجودہ جیسلمیر کے علاقہ کے قریب تھا۔[۵۳] جدید تاریخی
تحقیقات کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ یہ مقام راجستھان میں ۲۷
عرض البلد اور ۷۰ طول البلد کے قریب واقع تھا۔ کیونکہ بقول بلاذری جنید
یہاں سے گجرات کی سرحد کی طرف بڑھتا ہے۔ تو ریگستان کے راستے پیش قدمی
کرتا ہے۔ ڈاکٹر شرما نے بھی اس علاقہ میں سانبھاری چوہان خاندان کی ریاست
لکھی ہے جو پہلے سندھ سے ملتی تھی۔ لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت یہ خانوادے
سانبھر چھبیں ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں بھاگ گئے تھے۔ اور یہ علاقہ
جنگلا دیش مین یعنی چھوٹی چھوٹی ریگستانی جھاڑیوں والا ملک کہا جاتا تھا۔[۵۵] بعد میں

[۵۱] بقول آر۔ سی۔ مجمدار یہ علاقہ کیراگرام میں واقع تھا۔ جو کوٹ کانگڑا سے ۳۰ میل مشرق میں
۳۲ عرض البلد اور ۷۶ طول البلد پر واقع ہے۔ دیکھئے انوکین آف انڈیا۔ ص ۶۰

[۵۲] بلاذری :۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۳۵ - ۴۴۵۔

[۵۳] ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن :۔ دی ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اِٹس اون ہسٹورین، ص ۳۵۰۔

[۵۴] بلاذری :۔ فتوح البلدان۔ صفحہ ۴۳۵ - ۴۴۵۔

[۵۵] ڈاکٹر۔ ڈی۔ شرما :۔ راجستھان تھرو دی ایجز، جلد ۱، ص ۱۲، ۱۸، بیکانیر ۱۹۶۶ء

یہی راجہ سانبھری راؤ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔[۵۶] ممکن ہے اسی خاندان کا
دگراہار اجہ جسے بلاذری الراہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ان دنوں کیرج کے علاقہ میں
مقیم ہو۔ مگر اغلب یہ ہے کہ ان دنوں کیرج کی ریاست میں جیسلمیر کا بھٹی راجا دیوراج
حکومت کر رہا ہو۔ اسی کا ہمعصر راجا سیلو کا "مانڈل" کا حکمراں تھا۔ مشہور مورخ
ایچ۔ سی۔ رے نے بھی اس علاقہ کو "کیرادو" کا نام دیا ہے۔[۵۷] اور [illegible] راجوں کی ایک
ریاست کی نشاندہی کی ہے۔ بلاذری کی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک مقامی
راجہ "اشند رابید" نامی جنید کا طرفدار ہو گیا تھا۔ اور جنگی پیش قدمی میں اسکے
ساتھ تھا۔ اغلب یہ ہے کہ اس راجا کا نام "چندر گپتا" کی بگڑی ہوئی شکل ہو کیونکہ
ڈاکٹر ڈی۔ سی سرکار کی حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ راجستھان کے ایک علاقہ
مین متھرا کے علاوہ، ایک موریا خاندان بھی برسر اقتدار تھا۔ جس کے چار راجے یکے
بعد دیگرے حکمران ہوے۔ ان مین ایک "چندر گپتا" بھی تھا۔

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کی آمد سے پہلے سندھ پر موریا ہی خاندان کا
راجا حکومت کرتا تھا۔ اسی خاندان کی ایک شاخ "چتوڑ" پر حکمران تھی۔ ممکن ہے
خاندانی بربادی اور سیاسی شکست نے اس کے دل مین ہم وطنوں سے بیزاری
پیدا کر دی ہو۔ وہ مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر وہ اسلامی
سپہ سالار کے ساتھ ہو گیا ہو۔ جنگ کی نوعیت سے پتہ چلتا ہے کہ کیرج کی یہ ریاست

[۵۶] ڈاکٹر۔ ڈی۔ شرما۔ راجستھان تھرو دی ایجز، جلد ۱، ص ۲۶۵۔

[۵۷] ایضاً۔ ص ۲۱۷ - ۲۱۸۔

[۵۸] ایچ۔ سی۔ رے :۔ ڈائناسٹک ہسٹری آف نادرن انڈیا، جلد ۲، ص ۸۳، ۹۲۷۔

مضبوط بنیادوں پر قائم اور طاقتور تھی۔ اس کے پاس بڑے بڑے مستحکم قلعے تھے۔ جنکا سر کرنا اس دور میں اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ اس کے علاوہ راجا کو ہم وطن ہندوستانی راجوں کی حمایت اور مدد کا بھروسہ بھی تھا۔ چنانچہ جنید کی فوج کے سامنے اس راجا نے سپر نہیں ڈالی بلکہ قلعہ بند ہو گیا۔ جنید نے اس زمانہ کی جدید ترین مسلمانوں کی ایجاد "دراس الکبش" کے ذریعہ قلعہ کی دیوار توڑ ڈالی اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ کبش کا استعمال دوسری صدی ہجری شروع ہو گیا تھا۔ ممکن ہے اسلامی افواج نے ہندوستان ہی میں پہلی مرتبہ اس ہتھیار کا استعمال کیا ہو۔ یہ حربہ قلعوں کے حصار کے وقت کام میں لایا جاتا تھا۔ اس کا استعمال "دبابہ" کے اندر سے ہوتا تھا۔ دبابہ کو قلعہ کی دیوار سے ملا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ جس کے اندر دو بڑے بڑے دس دس میٹر لمبے لکڑی کے بلے نما ڈنڈے زنجیروں کے سہارے دبابہ کی چھت سے لٹکتے رہتے تھے۔ ان کے سرے پر سخت قسم کا نوکیلا لوہا جڑا ہوتا تھا۔ اور متعدد اشخاص دبابہ کے اندر سے اسے اسپرنگ کی طرح کھینچ کھینچ کر قلعہ کی دیواروں پر مسلسل ضرب لگاتے تھے جس سے دیوار ٹوٹ جاتی تھی اور فوج اندر داخل ہو جاتی تھی۔ بہرحال کیرج کی فتح نے سندھ کی طرف سندھ کی قوتوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور پورے سندھ میں ملتان[1] تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔[2]

---

[1] سندھ کا ملتان ڈویژن سیکالا (جدید سیالکوٹ) تک شمال میں پھیلا ہوا تھا اسکے بعد کاشمیر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ اس ڈویژن میں قریب قریب پورا مشرقی اور جنوبی پنجاب شامل تھا۔ دیکھئے ار۔ سی۔ مجمدار: دی عرب انویژن آف انڈیا، ص ۵۴،

[2] الیعقوبی: تاریخ، جلد ۲ ص ۳۰۵۔

اس کے بعد جنید کے سامنے دوسرا اہم کام سندھ کی سرحدوں کو ہندوستان کی طرف سے لاحق خطروں سے محفوظ و مامون کرنا تھا کہ اس صوبہ کی حکومت کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانے کی شکل باقی نہ رہے۔ اور ایک دوامی استحکام پیدا ہو جائے۔

اگرچہ راجستھان کی جنوبی سرحد کیرج کی فتح سے محفوظ ہو گئی تھی۔ راجستھان کے چوہان راجے سانبھر کے مشرقی علاقے میں جا چکے تھے۔ دوسرے سرحد کی ناکہ [illegible] گجرات کی طرف کرتا تھی۔ جس کی شمال سے جنوب تک ایک طویل سرحد سندھ کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔ اور عرصہ سے گجرات کے سولانکی چالوکیہ خاندان کے راجوں اور سندھ کی ریاست کے درمیان سرحدی تنازعہ چلا آتا تھا۔ اسلامی فتوحات کے بعد بھی اس میں تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے۔ چنانچہ جنید کیرج کے علاقہ سے راجستھان کے مشہور تھار ریگستان کو عبور کیا۔ اور [illegible] قریب تر ریاست مرمد (مارومد) جو ماڑواڑ کا قدیم نام ہے[1]۔ جا پہنچا مرمد ان دنوں مسیلو کا[2] "راجا حکومت کر رہا تھا۔ جنید سے شکست کھا کر اس نے اطاعت قبول کر لی۔ یہاں سے اسلامی افواج نے مانڈل پر پیش قدمی کی۔ اس علاقہ کو فتح کرنے بعد انکا حملہ دبھنج پر[3] ہوا۔ یہ علاقہ پنچ سر کے قریب ہے۔ یہ سارے علاقے شمالی گجرات [illegible]

---

[1] گجرات سلطنت کی سرحد شمال میں تقریباً ماڑواڑ سے شروع ہو کر جنوب میں دریا نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اسوقت گرجرا (پرتیہارا) خاندان کی سلطنت گجرات اجین تک پھیلی ہوئی تھی۔ دیکھیے۔ وی۔ اے اسمتھ: دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص ۱۹۹۔ [2] ابو ظفر ندوی: تاریخ سندھ ص ۳۰!
بقول مجمدار ماڑواڑ جودھ پور کا ایک حصہ رہا ہوگا۔ دیکھیے دی عرب انویژن آف انڈیا، ص ۱۴،
ڈاکٹر دی شرما، راجستھان جلد ۱، ص ۲۱۷-۲۱۸ [3] یہ علاقہ ویراگرام سے ۱۴ میل شمال مغرب میں واقع ہے اور ویراگرام احمد آباد سے ۳۵ میل پچھم ہے۔ دیکھیے جے برگیس، آرکیالوجیکل سروے آف ویسٹرن انڈیا، قسم ۲ جلد ۸ ص ۹۱-۹۲ [4] پنچ سر رادھن پور کے قریب ہے۔ دیکھیے ابوظفر ندوی تاریخ [illegible]

کی سلطنت کے ماتحت تھے جس کا پایہ تخت بیلمان (بھیں مال) تھا۔[1] یہاں چالوکیا
خاندان کے کایا (چوڑیکا) راجے برسراقتدار تھے۔[2] دھنج کی فتح کے بعد گجراتیوں کو پاؤں
اکھڑ گئے۔ اور شکست خوردہ افواج بھی بھاگ کر پایہ تخت میں جمع ہو گئیں۔ اور عربوں کو
گجرات کے علاقے سے نکال دینے کی زبردست تیاریاں ہونے لگیں۔ اس لیے جنید
نے بلاتاخیر خود بیلماں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ پایہ تخت کو بچانے کے لیے
گجراتیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ لیکن بالآخر جنید
نے بیلماں کو فتح کر لیا۔[3] اس فتح سے گجرات کا چاپا خاندان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔[4]
اب گجراتی افواج کے لیے کہیں جائے پناہ نہ رہ گئی تھی۔ اس لئے شکست خوردہ ہندی
افواج دکھنی گجرات چلی گئیں۔ اور بروص (بھڑوچ) میں دشمن کو روکنے کی تیاریاں
شروع کر دیں۔[5] دکھنی گجرات میں بھڑوچ "لاتا" ریاست کے گرجرا خاندان کا پایہ تخت تھا
ان دنوں جسے بھٹ سوم (۰۰، تا ۷۳۵ء) وہاں حکومت کر رہا تھا۔[6] یہ راجا
دکھنی گجرات کے چالوکیہ شاہنشاہ دینا تیہ منگل راج (۷۳۱ء) کے ماتحت تھا۔[7]
جنید نے یہاں بھی پیش قدمی سے کام لیا۔ اور قبل اس کے کہ گجراتی حملہ آوروں نے اس

---

[1] بیلمان (بھیں مال یا بھلا مالا) شمالی گجرات کا پایہ تخت تھا۔ اسکا محل وقوع آبو پہاڑ کے پچھم کا علاقہ ہے۔ دیکھیے۔ وی۔ اے اسمتھ: دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا۔ ص ۱۹۹۔ [2] ایچ۔ سی رے ڈائناسٹک ہسٹری آف انڈیا، جلد ۲ ص ۹۳۴۔ [3] البلاذری فتوح البلدان ص ۴۳۵-۴۴۵۔
[4] ڈاکٹر ڈی۔ شرما۔ راجستھان تھرو دی ایجز، جلد ۱، ص ۱۲۱، ۱۲۰۔ [5] ایضاً ص ۱۲۲
[6] میں۔ پادل ہند وانڈیا جلد ۱، ص ۲۵۱۔ [7] ابوظفر ندوی تاریخ گجرات ص ۱۰۸، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸۔

عربی افواج کو نہایت سرعت کے ساتھ بھڑوچ پہنچا دیا۔ گجراتی ابھی سنبھلنے بھی
نہیں پائے تھے کہ عربوں کا زبردست حملہ ہو گیا۔ اور ایک شدید جنگ کے بعد
گجراتیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب
دکھنی گجرات میں صرف مالیہ (مالوہ) کی ریاست بچ رہی تھی۔ جہاں سے عربوں
کے خلاف جنگی کارروائی کا امکان ہو سکتا تھا۔ عربوں کی آمد سے قبل یہ ریاست
دو الگ الگ ریاستوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک ریاست اجین کے راجا کے ماتحت
تھی۔ اور دوسری غالباً مالوہ ہی کے نام سے تھی۔ جس کا ایک اہم مرکز چتوڑ تھا۔
ممکن ہے۔ چتوڑ ان دنوں مالوہ کی ریاست کا پایہ تخت رہا ہو۔ بہرحال، جنید کی نگاہ
میں بھین مال کے چاپا خاندان کے خاتمے کے بعد مالوہ کی اہمیت بہت زیادہ نہیں رہ گئی
تھی۔ کیونکہ اسوقت اجین کا راجا "ناگ بھٹ اول" مانا جاتا تھا۔ جو خود چاپا خاندان
کا باجگذار تھا۔[2] اس کے علاوہ گجراتیوں پر عربوں کی خاصی دہشت طاری ہو چکی
تھی اور انکی طاقت بھی ٹوٹ چکی تھی۔ اس لیے جنید کا ارادہ اب آگے بڑھنے کا
نہیں تھا۔ کیونکہ جنوب میں لاتا ریاست کے بعد دکھنی ہندوستان کے راجوں کی
سرحد شروع ہو جاتی تھی جن سے عربوں کو کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اور وہ ان سے
جھگڑا مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ ان سے ان کے تجارتی روابط بھی اچھے تھے یہی

---

[1] مالوہ کا علاقہ اراولی اور وندھیا پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ سلطنت دو حصوں میں منقسم تھی، ایک "مالوہ" اور دوسری "اجین"۔ گرجرا پرتیہار خاندان کی حکومت تھی۔ دیکھیے آر۔ سی مجمدار۔ دی عرب انویژن آف انڈیا، ص ۴۱۔ [2] کے۔ ویرجی اینشیئنٹ ہسٹری آف سوراشٹر
ص ۹۶، ممبئی ۱۹۵۳ء۔ [3] ایچ۔ سی۔ رے۔ ڈائناسٹک ہسٹری آف انڈیا، جلد ۱ ص ۹، ۱۰، کلکتہ ۱۹۳۱ء

وجہ ... بھڑوج سے قبل ولبھی راجاؤں کی ساحلی ریاست کو جس پر شلا دت
پنجم حکومت کر رہا تھا۔ جنید نے ہاتھ نہیں لگایا۔[۱] البتہ تنبیہی کارروائی کے طور پر
اپنے ایک ماتحت کمانڈر حبیب بن مرہ کو ایک دستہ دیکر مالوہ کی طرف
روانہ کر دیا۔ اجین پر چاپا خاندان کا باجگذار راجا حکمران تھا۔ اس لیے گجرات
کی جنگوں میں اس کا بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ رہا ہوگا۔ مگر وہ خود سورٹ (سورتھ)
کے راستہ بیلمان واپس ہو گیا تھا۔ بلاذری نے جنید کے واپسی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ
وہ دور تک دشمن کے ملک کے اندر چلا آیا تھا۔ اور واپسی میں عرب افواج کو
خطرہ ہو سکتا تھا۔[۲] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنید کی کارروائی محض تادیبی اور
حفاظتی تھی۔ اس کا مقصد ملک فتح کرنا نہیں تھا۔ چنانچہ جنید نے مفتوحہ علاقوں
پر مستقل قبضہ نہیں رکھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا مفتوحہ علاقوں
میں عربی نظم و نسق بحال کرتا جاتا۔ مگر پورے گجرات میں ایسی کوئی صورت
پیش نہیں آئی۔ یہ ہمارے مورخین کی غلطی ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ جنید کے
فوراً بعد ہی ہندوستانی راجوں نے دوبارہ مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور
عربوں کو ان علاقوں سے بھگا کر سندھ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ لیکن حقیقت حال
اس کے بالکل برعکس ہے۔ جنید کی فتوحات نے ہندوستان میں کتنا خوف و ہراس
طاری کر دیا تھا۔ اور عربوں کا رعب کسقدر غالب آگیا تھا۔ اس کا اندازہ

---

[۱] ابوظفر ندوی: تاریخ سندھ، ص ۸۰؛ دار المصنفین ۱۹۵۸ء۔ [۲] سورتھ
کاٹھیاواڑ کا قدیم نام ہے جسے سوراسٹر بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے انوکین آف انڈیا، ص ۶۰
[۳] بلاذری۔ فتوح البلدان، ص ۴۴۰ - ۴۴۲۔

بقول ڈاکٹر شرما نوساری علاقہ کے گورنر پولاکیسن جناسرے کے ایک کتبہ (۷۳۸ء)
سے ہوتا ہے۔[۱] جس میں ہندی راجوں کے سندھو، کچھیلا، سوراشٹر، چوٹکا، موریا
اور گرجا خاندانوں سے شکست کھانے کا ذکر ہے۔ بہرحال۔ حبیب ایک دستہ کے ساتھ
اجین کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی مہموں سے اس کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسکا
مقصد صرف دشمن کی طاقت کو کمزور کرنا اور تادیبی کارروائی کر کے بیلمان میں جنید سے
مل جانا تھا۔ جو عربی افواج کے ایک بڑے دستہ کے ساتھ وہاں مقیم تھا۔ چنانچہ وہ
ازین (اجین) جا پہونچا۔ اجین کا قدیم نام اونتی ہے۔ اس کا شمار ہندوستان کے
سات مقدس ترین مقامات میں ہوتا تھا۔ قیاس ہے کہ یہاں ناگ بھٹ اول برسر
حکومت تھا۔[۳] یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ ناگ بھٹ نے حبیب کے حملے کے بعد اجین
پر قبضہ کیا ہو اور پھر عربوں سے جنگ اور ان کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کرنے کی
اسکیم بنائی ہو۔ اور ناگ بھٹ سے قبل اجین پر کوئی دوسرا راجا حکمران رہا ہو جس کو
حبیب کے ہاتھوں بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہوگا۔ اس کی شکست نے عوام کو اسکی
طرف سے یقیناً بدگمان کر دیا ہوگا۔ ایسی حالت میں ناگ بھٹ کے لیے اجین پر
قبضہ اور عربوں کے خلاف جنگی مہم چلا کر عوامی تائید حاصل کر لینا بڑی بات نہ رہی ہوگی
کیونکہ اجین پر عربوں کے قبضہ کے بعد اس کے اہم ترین مندروں کے ہاتھوں سے

---

[۱] ڈاکٹر ڈی۔ شرما راجستھان تھرو دی ایجز جلد ۱، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے آگے ص ۳۰۰ پر
[۲] ازین اور مالیہ سے مراد اجین و مالوہ ہے۔ یعنی مشرقی و مغربی مالوہ دیکھئے انوکین آف انڈیا
ص ۴۱ عربوں کے حملہ سے قبل ہی مالوہ گرجا پرتیہار خاندان کے تحت ایک علاحدہ ریاست بن چکا تھا۔
دیکھئے اینشنٹ ہسٹری آف انڈیا از کے۔ دیر جی ص ۹۰۔ [۳] ایچ۔ سی۔ رے ڈائناسٹک ہسٹری آف انڈیا جلد ۱
ص ۹ فٹ نوٹ

نکل جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ بلاذری کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اجین کے بعد بھی کئی مقامات پر مالوہ کی ریاست میں مقامی افواج سے جھڑپ کی نوبت آئی۔[1] ممکن ہے ناگ بھٹ ہی نے مختلف جگہوں پر حبیب کے دستے سے مزاحمت کی ہو۔ مگر حبیب چونکہ آگے جنگی سلسلہ دراز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کا مقصد اپنے قائد جنید کی فوج سے بیلمان میں ملنا تھا اس لیے اس نے یقیناً مقامی افواج سے صرف اسی حد تک جنگ کی ہوگی کہ واپسی کا راستہ مسدود نہ ہو۔ اس صورت حال کو ہندوستانی مورخین نے ناگ بھٹ کی عربوں پر فتح یابی کا گمان کر لیا۔[2] لیکن حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بقول بلاذری حبیب نے اجین میں مقامی افواج کو شکست دے کر بھاری نقصان پہونچایا۔ اور وہاں سے قریب کے ایک دوسرے علاقہ بھریمد جا پہنچا۔ یہاں بھی دشمن بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد اطراف کے دوسرے علاقے جن میں چتوڑ بھی شامل ہے سر کرتا ہوا بیلمان روانہ ہو گیا۔ چتوڑ پر ان دنوں موریہ خاندان کا راجہ دھانیکا برسر اقتدار تھا۔ اسے حبیب کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔[3] مالوہ کی ریاست میں بعض اور جگہوں پر بھی مقامی افواج سے جنگ کی نوبت آئی مگر سب میں عرب افواج کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بالآخر حبیب اپنی مہم کو پایہ تکمیل تک پہونچا کر بیلمان میں

---

[1] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۴۵-۴۴۴ [2] ایچ۔ سی۔ رے: ڈائناسٹک ہسٹری، ج ۱ ص ۹ فٹ نوٹ۔ [3] صحیح مقام کی نشاندھی نہیں ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے مالوہ کی ریاست میں "دھار" کا علاقہ ہو۔ [4] آر۔ سی۔ مجمدار۔ دی عرب انویژن آف انڈیا، ص ۱۴۔
[5] ایچ سی۔ رے: ڈائناسٹک ہسٹری آف انڈیا، ج ص ۱۱۵۴۔

جنید سے مل گیا۔ اس کے بعد ہند کے علاقوں میں مزید کارروائی کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ اور جنید کی قیادت میں اسلامی فوج سندھ واپس ہو گئی۔[1]
مسلم افواج کی ان غیر معمولی فتوحات کی تصدیق نوساری علاقہ کے ایک کتبہ نوشتہ ۷۳۸ء سے بھی ہوتی ہے جو دکھنی گجرات کے چالوکیا خانوادے کے راجا پولکیسن جناسرے کے عہد کا ہے۔[2] اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ آر۔ سی۔ مجمدار بھی اسی خیال کے موید ہیں کہ یہ فتوحات جنید اور اس کے ماتحت افسر حبیب کے ہاتھوں انجام پائیں۔[3]

گجرات اور راجستھان کے بعد سندھ کی اسلامی مملکت کی سرحد ہندوستان کے عظیم الشان پرتیہار خاندان کی قدیم ریاست قنوج سے ملتی تھی۔ اسی کو بلاذری نے "بلاد الجزر" کا نام دیا ہے۔[4] یہ ایک طاقتور اور وسیع و عریض مملکت تھی۔ جس میں مشرق کی سمت موجودہ یوپی اور وسطی ہندوستان اور مغرب میں راجستھان کے شمالی مغربی علاقے کے ساتھ ساتھ اس کے حدود پنجاب میں کرنال تک پھیلے ہوئے تھے۔[5] شمال میں اس کی سرحد تبت[6] اور کشمیر سے ملتی تھی۔

---

[1] الیعقوبی: تاریخ، ج ۲، ص ۳۱۲-۳۱۱؛ بلاذری: فتوح، ص ۴۴۴ [2] آر۔ سی۔ مجمدار: دی عرب انویژن، ص ۱۴ [3] ایضاً۔ ص ۱۴ [4] بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۴۲ [5] قنوج ایک بڑی سلطنت تھی جس کو جُزر کہا جاتا ہے۔ اس میں پرتیہار خاندان کی حکومت پنجاب میں کرنال ضلع تک پھیلی ہوئی تھی۔ دیکھئے دی۔ ایج آف امپیریل کنوج: مجمدار اور دوسرے، ص ۱۲۰،۱۰ [6] تبت سے مراد قدیم بھوٹان ریاست ہے۔ دیکھئے ص ۲۲۔

مشہور مستشرق ایلیٹ اور ڈاؤسن "بلاد الجرز" کو سوراشٹر (کاٹھیاواڑ) یا گجرات کے کسی علاقہ سے متعلق سمجھتے ہیں۔ لیکن رینو نے قنوج ہی بتایا ہے۔[۵۸] تاریخی شواہد بھی قنوج ہی کو بلاد الجرز ماننے کے حق میں ہیں۔ اب تک سب مورخین اور مستشرقین "جرز" کا تلفظ جیم کے پیش اور را کو جزم کے ساتھ کرتے آئے ہیں ان کی رائے میں جُرز گُرجرا کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو گجرات کے گرجرا خاندانوں کے لیے بھی عربی میں جرز کا لفظ استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ جو نہیں ہوا ہے۔ میرے نزدیک یہ لفظ جُرز کے بجائے "جَرَز" ہے، جس کے معنی عربی میں خشک اور غیر آباد علاقہ کے ہیں۔

بلاذری کی روایت سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنید گجرات کی فتوحات کے بعد سندھ واپس آگیا تھا۔[۵۹] گمان غالب ہے کہ وہ ملتان ہی واپس آیا ہوگا۔ کیونکہ ان دنوں یہی شہر صوبہ سندھ کا پایہ تخت تھا۔ وہاں سے وہ جنگی تیاریوں کے بعد بلاد الجرز کی طرف بڑھا ہوگا۔ اگر یہ علاقہ گجرات یا کاٹھیاواڑ میں ہوتا تو جنید کو سندھ واپس آکر دوبارہ مہم شروع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس علاقہ کو سر کرنے کے بعد جب وہ آگے بڑھتا ہے تو ایک ایسی ریاست سامنے آتی ہے جس کے حکمراں کو "ملک الصین" یعنی بادشاہ چین کے نام سے یاد کرتا ہے۔[۶۰] اس بحث سے قطع نظر کہ وہ چین کا بادشاہ تھا یا نہیں، ہم اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں کہ اس ریاست کا

۵۸ ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن: دی ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹورینس، ص ۳۵۸

۵۹ بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۴۴۔ ۶۰ ایضاً۔ ص ۴۴۴۔

تعلق کسی نہ کسی شکل میں چین کی حکومت سے ضرور تھا۔ خواہ وہ ریاست باجگذار رہی ہو یا براہ راست چین کی قلمرو میں شامل ہو۔ کیونکہ یعقوبی کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنید کی گورنری میں چین کا ایک علاقہ شامل تھا۔[۶۱] اس لیے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ یہ علاقہ دراصل راجستھان کا شمال مغربی علاقہ تھا۔ جس میں جنوبی پنجاب کے کچھ حصے بھی شامل تھے یہی وہ علاقہ ہے جو کم بارش والا خشک اور قدیم زمانے میں بیشتر غیر آبادی والا علاقہ رہا ہوگا۔ اس لیے بلاذری نے اسے "بلاد الجرز" کا نام دیا ہے۔ یعنی غیر مزروعہ بنجر علاقہ، تیسری اہم بات اس علاقہ کو قنوج کا ہی علاقہ تصور کرنے میں یہ نظر آتا ہے کہ محمد بن قاسم نے یہاں کے راجا کو اسلام کی دعوت دی تھی جس کو اس نے ٹھکرا دیا تھا۔ اور جواباً اپنی بے پناہ فوجی طاقت کی دھمکی بھی دی تھی۔ اس لیے یقیناً قنوج کی ریاست سے سندھ کی ملحقہ سرحد کو خطرہ پیش ہو سکتا تھا سندھ اور راجستھان کے کچھ شکست خوردہ راجے بھی قنوج کی طرف بھاگ گئے تھے۔ جو اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اس ریاست کی مدد سے سندھ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر جنید کے لیے قنوج کے سرحدی ناکہ پر بھی پیش قدمی ضروری معلوم ہوئی ہوگی۔ اس لئے ہم جنید کو قنوج سے ملی سرحد کو استوار کرنے کی خاطر بلاد الجرز پر بڑھتے ہوئے پاتے ہیں۔ بلاذری نے اس سلسلے میں زیادہ تفصیل نہیں لکھی ہے۔ لیکن اس روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سرحد سے ملحقہ

۶۱ الیعقوبی۔ تاریخ، جلد ۲، ص ۳۱۵۔ تفصیل کے لیے آگے دیکھئے ص ۲۲۲

۶۲ علی بن حامد کوفی۔ چچ نامہ، ص ۱۳۵ تا ۱۴۲، قلمی بانکی پور لائبریری، نمبر ۵۹۰۔

قنوج کے کچھ علاقے مفتوح ہوئے۔ گو اندرونی ریاست میں دور تک پیش قدمی نہیں ہوئی۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قنوج کی ریاست نے اس کے خلاف جوابی کارروائی نہیں کی۔ اس عرصہ میں ہندوستان کی طرف سے بھی کسی جوابی حملہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں کسی قطعی رائے کا اظہار مشکل ہے۔ مقامی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں قنوج کی سلطنت پر یسودرمن نامی راجا حکمراں تھا۔[1] اور جنید کی پیش قدمی سے قبل ہی یہ راجا کشمیر کے راجا للتادت مکتاپید۔[2] اور دکھنی چالوکیا راجا ونے دت یولکین (۶۹۵ء) سے شکست کھا چکا تھا۔[3] اور فوجی اعتبار سے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ ممکن ہے اسی کمزوری نے اسے عربوں سے جنگ کا خطرہ مول لینے سے روک دیا ہو۔ اور خاموشی میں ہی عافیت سمجھی ہو۔ لیکن آئندہ خطرہ کے پیش نظر اس نے غالباً چین سے مدد بھی چاہی تھی۔ چنانچہ اس کا سفیر ۷۳۱ء میں چین گیا تھا۔[4] بہت ممکن ہے کہ جنید نے بھی اس ریاست کی کمزوریوں کا اندازہ کر کے شدید پیش قدمی کی ضرورت نہ سمجھی ہو؛ صرف سرحد کی حفاظت کے انتظام کرنے کے بعد وہ آگے بڑھ گیا۔ اب فوجی نقطۂ نظر سے صرف ایک ہی علاقہ بچ رہا تھا۔ جس کی ناکہ بندی ضروری تھی۔ یہ وہ پہاڑی خطہ تھا جہاں کشمیر،[5] تبت، قنوج اور سندھ کی سرحدیں

[1] دسرتھ شرما۔ ارلی چوہان ڈائناسٹی، ص ۳۸۲ [2] کے۔ ایم۔ پانیکر: تاریخ ہند قدیم مترجم اردو، ص ۵، مکتبہ جامعہ ۱۹۴۲ء دہلی ۱۹۲۸ء؛ کلہنی: راج ترنگنی، ص ۱۲۹ [3] ویدیا: میڈیاول ہندو انڈیا، ص ۳۳۶ جلد ۱، [4] ایچ۔ سی۔ رے، ڈائناسٹک ہسٹری آف انڈیا، ج ۱، ص ۲۶۶۔ اس۔ سی۔ رے۔ ارلی ہسٹری اینڈ کلچر آف کاشمیر، ص ۴۲، دہلی، ۱۹۵۷ء طبع دوم۔ [5] الیعقوبی، تاریخ ج ۲، ص ۳۱۵　تبت ان دنوں بھوٹا خاندان کی ریاست تھی اسکی سرحد نیپال سے لیکر سالٹ رینج تک پھیلی ہوئی تھی۔

ملتی تھیں، جنگی اعتبار سے اس علاقہ کا جغرافیائی محل وقوع بڑا اہم تھا۔ سالٹ رینج کے پہاڑی سلسلے نے کاشمیر کی طرف سے حملہ ناممکن بنا دیا تھا۔ دریائے ستلج نے قنوج کی طرف سے خطرات کو کم کر دیا تھا۔ اب صرف تبت ہی کے راستہ حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جنید نے اس اہم جنگی محاذ پر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ یہی وہ ناکہ تھا جہاں سے چین کی افواج بھی سندھ کے حدود میں آسانی کے ساتھ داخل ہو سکتی تھیں۔ اس ریاست کا پہلا سرحدی مورچہ ایک زبردست قلعہ کی شکل میں نظر آیا۔ یعقوبی کی روایت کے مطابق یہاں کا حکمران "بادشاہ چین" تھا۔[1]

ابوظفر صاحب ندوی کے خیال میں یہ علاقہ چینیوں اور چینی تجار سے بھرا ہوا تھا اسلئے اس ریاست کے حکمراں کو عرب مورخ نے "ملک الصین" کے نام سے یاد کیا ہے۔[2] تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہیون سنگ، بادشاہ چین (۷۵۵۔۷۱۳ء) کی بالادستی ان دنوں تبت اور کاشمیر دونوں پر تھی۔[3] مگر تاریخی شواہد کی روشنی میں ایک دوسرا نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ تبت ان دنوں بھوٹا خاندان کی ایک بڑی سلطنت تھی جسکی سرحد نیپال کی شمولیت کے ساتھ ہند کے بعض شمالی سرحدی علاقوں کو بھی شامل تھی لیکن اس پر چین کی بالادستی تھی۔ اس بالادستی کو ختم کرنے کے لیے بھوٹا خاندان کے راجے جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ٹانگ خاندان کے بادشاہ ہیون سنگ کے زمانہ ہی میں ایک زبردست بغاوت ہوئی۔ جس کو چینی ولیعہد نے قوت سے دبا دیا۔

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۵
[2] ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص ۱۳۳ [3] وی۔ اے۔ اسمتھ: اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص ۱۹۲؛ ایچ۔ سی۔ رے؛ ڈائنا سٹک ہسٹری جلد ۱،

مگر کچھ علاقے چین کی دسترس سے نکل بھی گئے۔[48] اس سلسلے میں غالباً کاشمیر کے راجا للتادت سے مدد بھی لی گئی تھی۔ جس نے تبتیوں سے جنگ کی تھی۔[49] ممکن ہے جنید کے حملہ کے وقت اس سرحدی ریاست پر ولی عہد چین خود یا کوئی دوسرا چینی شہزادہ حکومت کر رہا ہو۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے بھی کاشمیر سے ملی ہوئی پنجاب کے شمال مشرق میں ایک ریاست "چینا بھوتی" کا ذکر کیا ہے جہاں کبھی چینی شہزادے رہا کرتے تھے۔[50]

دوسری صورت حال یہ ہو سکتی ہے کہ تبت کا ہی کوئی راجا یا رئیس جو چینی حکومت کا باجگذار یا آزاد ہو، اس سرحدی ریاست پر حکمرانی کر رہا ہو۔ روسی مورخ بارتھولڈ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں ترکستان اور ماوراء النہر کے علاقہ میں بڑے بڑے کاشت کار اور تجار بھی اپنا اپنا حلقہ رکھتے تھے۔ اور ان کی آراضی گویا ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی تھی۔ وہ اپنی فوج بھی رکھتے تھے۔ ان ان رئیسوں کو شہزادوں (ملوک) کا درجہ ملا ہوا تھا۔ عجب نہیں کہ اس تبتی ریاست پر بھی ایسا ہی کوئی شہزادہ حکمران ہوا۔ اور یہ علاقہ چینی حکومت کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہو یعقوبی کا یہاں کے حکمران کو "بادشاہ چین" تصور کر لینا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی سندھ کی سرحدی حفاظت کا ایک اہم ناکہ تھا اسلئے جنید نے اسپر فوجکشی کی، یہ پہاڑی علاقہ تھا، اسکو فتح کرنے کیلئے آگ کا گولہ استعمال کیا گیا جو یہاں کیلئے بالکل نئی چیز تھی اسکی لگائی ہوئی مشکل سے بجھائی جا سکتی تھی۔

---

[48] جیمز کارسن: تاریخ ممالک چین (اردو ترجمہ) جلد ۲، ص ۴۸، نول کشور پریس ۱۸۷۴ء
[49] اس۔ سی۔ رے: ارلی ہسٹری اینڈ کلچر آف کاشمیر، ص ۴۲۔ دہلی ۱۹۷۰ء [50] سی۔ وی۔ ویدیا: میڈیول ہندو انڈیا، ج ۱، ص ۳۸۱ [51]۔ ڈبلیو۔ بارتھولڈ: ترکستان ڈاؤن ٹو دی منگول انویژن، ص ۱۸۱ لندن ۱۹۲۸ء۔ طبع دوم

ہندوستان میں یہ جنگی حربہ غالباً پہلی مرتبہ استعمال کیا گیا، اور بقول بلاذری عربوں کے علاوہ دنیا کی کوئی قوم بھی اس آگ کے بجھانے کا فن نہیں جانتی تھی،[51] اس جنگ میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ جو بھی گولے قلعہ پر پھینکے گئے تھے، سب بجھائے جاتے رہے، اس نے جنید کو شک ہوا کہ قلعہ کے اندر ضرور کچھ عرب باغی مقیم ہیں، جنگ کا سلسلہ جاری رہا، آخر میں ملحمہ کے ساتھ قلعہ فتح ہو گیا، جب تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ قلعہ میں دو عرب موجود تھے جو آگ کے بجھانے کا فن جانتے تھے، جنید کے حکم سے ان دونوں کو سزائے موت دی گئی،[52] اس قلعہ کو سر کرنے کے بعد اور کتنی فتوحات ہوئیں، پوری ریاست فتح ہوئی یا نہیں؟ اسکی تفصیل نہیں ملتی، بہر حال سندھ کی سرحدی حفاظت کے لئے یہ ایک اہم ناکہ تھا جس پر عربوں کی بالادستی حاصل ہو گئی، مذکورہ بالا فتوحات کے بعد جنید نے اپنی چار سالہ جنگی مہم بند کر کے ان فتوحات کی رپورٹ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے پاس بھیج دی، اس رپورٹ میں اسیران جنگ کی تعداد ۵۰،۰۰۰، اور مال غنیمت کا تخمینہ ....۰۰۰ درہم اور اتنی ہی رقم فوجیوں میں تقسیم کی گئی تھی۔[53]

اس جگہ ایک اہم تاریخی ضرورت کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، جس کی طرف مورخین نے توجہ نہیں دی ہے اور وہ یہ کہ اس کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان کے ابتدائی اسلامی عہد کے واقعات کی چھان بین میں عربی تاریخوں سے بھی مدد لی جائے، ان میں اس عہد کا مستند ریکارڈ بیشتر محفوظ ہے، مثال کے طور پر کاشمیر کو لے لیجئے،

---

[51] بلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۴۸، ۴۴۷، الیعقوبی تاریخ جلد ۲ ص ۳۱۶، ۳۱۵

[52] الیعقوبی: تاریخ، جلد ۲، ص ۳۱۵، ۳۱۶،

[53] ״ ״ : ״ ״ ص ۳۱۷

کاشمیر کے تاریخی واقعات کا واحد اور قدیم ترین ریکارڈ کلہن کی مشہور نیم تاریخی منظوم کتاب 'راج ترنگنی' ہے،[50] کلہن کی روایت کے مطابق ۷۰۰ء سے لیکر ۷۳۶ء تک کارکوٹا خاندان کا ایک مدبر اور جنگجو راجا للتادت مکتا پید کاشمیر پر حکمراں رہا، جب اُس نے فتوحات کی طرف قدم بڑھایا، تو کاشمیر سے جنوب کی طرف قنوج اور بہار کی ریاست کو مغلوب کرتا ہوا دکن تک پہنچ گیا، گجرات کا علاقہ بھی اس نے فتح کیا، اور سندھ کی ریاست سے تعرض کئے بغیر کاشمیر واپس گیا، اُس کے بعد شمال میں افغانستان اور طخارستان کی مہم پر روانہ ہوگیا،[51] اس موقع پر ایک فطری اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے، للتادت ایک مدبر اور عظیم فاتح تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا ہندوستانی راجہ ہے جس نے بیرون ہند بھی اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا، ایسی حالت میں کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے، کہ اس کی موجودگی میں سندھ عربوں کے قبضہ میں چلا جائے، اس راجہ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے، ؟ اس طرح عربوں کے لئے بھی یہ اشد ضروری تھا کہ وہ کاشمیر کی طاقت سے بے پروا نہ رہتے، اور اس سرحد کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کرتے، ؟ کاشمیر میں ایک بڑی ہندی طاقت کی موجودگی میں، دوسری غیر ملکی طاقت کے سندھ میں ورود اور قیام کے بعد بھی دونوں کا ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنا، جب کہ سندھ و کاشمیر کی سرحد ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہو، تاریخی اعتبار سے عجوبہ ہی تصور کیا جائے گا، بعض مورخین اور مستشرقین چینی تاریخ کی روشنی میں راج ترنگنی کی روایت کو درست تو مانتے ہیں، مگر للتادت کے عہد کو ۲۵ سال

۵۰ کلہن : راج ترنگنی، تحقیق آر۔ سی۔ پنڈت ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۶۸ء ص ۱۵۳ - ۱۳۰

اور آگے بڑھا دیتے ہیں، اُن کے خیال میں راجا للتادت نے ۷۲۵ء سے ۷۶۱ء کے لگ بھگ حکومت کی۔[51]

لیکن اسلامی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا، جس سے اس دور میں للتادت کا طخارستان اور افغانستان کی طرف جانا ثابت ہوتا ہو، حالانکہ ان علاقوں میں اس وقت مسلمانوں کو پوری بالادستی حاصل ہو چکی تھی، اس کے علاوہ سندھ میں مسلمان اچھی طرح قدم جما چکے تھے، للتادت دکن سے واپسی پر مسلمانوں سے تعرض کئے بغیر کاشمیر کیونکر پہنچ سکتا تھا، اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کی تحقیق میں چینی تاریخ کے ساتھ عربی تاریخ کی کتابوں سے بھی مدد لی جائی،

تاریخ کے گہرے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جنید کا کاشمیر کی طرف سے مطمئن رہنا، اور اس سے کوئی تعرض نہ کرنا بے معنی نہیں ہے، جنید کی واپسی کا زمانہ ۷۲۹-۳۰ء کے قریب کا ہے، میرے خیال میں یہ وقت وہ تھا جب للتادت طخارستان کی آخری مہم سر کر رہا تھا یا پھر جنگ میں کام آچکا تھا، کیونکہ اُس کے بعد وہ لوٹ کر واپس کاشمیر نہیں آسکا،[52] رہ گیا یہ سوال کہ دکن سے واپسی پر اُس نے سندھ کی طرف توجہ کیوں نہیں کی، گمان غالب ہے کہ للتادت ہندوستان کی مہم سر کر کے ۷۱۰ء سے پہلے پہلے کاشمیر پہنچ کر شمال کی مہم پر روانہ ہو چکا تھا، اس وقت عربوں کا وجود سندھ میں تھا ہی نہیں، داہر سے تعرض نہ کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس نے للتادت کی اطاعت قبول کر لی ہوگی، یا وہ برہمن خاندان کا راجہ تھا، اور للتادت کی جنگ بشیتر بدھشٹ ریاستوں سے تھی، چچ نامہ

۵۱ اسٹین بحوالہ راج ترنگنی تحقیق آر۔ سی۔ پنڈت ص ۱۵۱ (فٹ نوٹ)

۵۲ کلہن، راج ترنگنی ص ۱۵۰، ۱۲۰، نئی دہلی، ۱۹۶۸ء

کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ داہر نے ایک خط میں محمد بن قاسم کو دھمکی دی تھی کہ ہند میں کاشمیر کا راجہ اس قدر طاقت ور ہے کہ اگر وہ اس کی مدد حاصل کر کے تو عربوں کی ہلاکت و بربادی میں کوئی شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہے گی[51]

اس روایت سے دو باتوں کا اندازہ ہوتا ہے، اول تو للتادت کے وجود کا علم ہوتا ہے، دوسرے اس بات کا کہ داہر للتادت کو اپنے سے بڑا سمجھتا تھا، یہ صورت حال بتاتی ہے کہ وہ للتادت کا مطیع تھا، مگر ان دنوں غالباً کاشمیر سے کافی دور شمال کے علاقوں میں مصروف پیکار تھا، للتادت کے بعد کاشمیر کی حکومت کمزور ہوگئی، کیونکہ اس کا بیٹا عیاش اور ناکارہ تھا، اس کے بعد اس کے بھائی کی حکومت بھی ریشہ دوانیوں کی شکار ہوگئی تھی[52]، ان حالات میں کاشمیر کے حکمرانوں کا عربوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ٹکر لینا ممکن نہ تھا، اور جلد ہی ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ مسلمانوں سے اُن کے تجارتی روابط بھی استوار ہوگئے کلہن کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ للتادت کے لڑکے نے جو خود بھی کاشمیر کا راجا تھا، عربوں سے ہندی غلاموں کی تجارت شروع کردی تھی[53]

جنید کی فتوحات نے ہندوستان کے بیشتر شاہی خاندانوں کے سیاسی اقتدار کو ختم کردیا تھا، اس سے ان شکست خوردہ والیان ریاست اوران کے خاندان والوں کا غم و غصہ میں مبتلا ہونا لازمی امر تھا، غیرت کا تقاضا بھی یہی تھا، کہ غیر ملکی حملہ آوروں کے ہاتھوں شکست کی ذلت کا بدلہ لیا جائے، چنانچہ انھوں نے اپنی کوششیں شروع کردیں، اسی کے ساتھ کچھ نئے خانوادے بھی اُبھرے جنھوں نے شکست خوردہ راجوں کی جگہ حاصل کرلی تھی، ان کے

---

[51] علی بن حامد کوفی: چچ نامہ ص ۴۵ - الف قلمی نمبر ۷ ، ۵۹ ، بانکی پور پٹنہ،

[52] کلہن : راج ترنگنی ، ص ۱۵۴ - ۱۴۹

[53] ": " " " ۱۵۴ -

اندر نیا جوش و ولولہ تھا، ادھر جب جنید کی مہم ختم ہوئی تو اُسے خراسان کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا، اور اسکی جگہ تمیم بن زید ۳۰-۲۹ء میں سندھ کا حاکم مقرر ہوا، اسکی گرفت انتظامیہ پر اچھی نہیں تھی، وہ اپنے ماتحتوں پر پورا کنٹرول نہیں رکھ سکا، ان میں آپس میں اختلاف پیدا ہوگیا، سندھ کے عوام کا بھی بڑا طبقہ تمیم کے خلاف ہوگیا، تمیم اس پر قابو حاصل نہ کرسکا، اور عراق روانہ ہوگیا، مگر راستہ میں سندھ کے علاقہ میں اس کی موت واقع ہوگئی[54]، اس انتشار اور بے اطمینانی سے فائدہ اٹھاکر مختلف راجے سندھ کی اسلامی حکومت کے خلاف صف آرا ہوگئے، اس سلسلے میں اجین کے راجہ ناگ بھٹ اوّل کی کوششیں اغلباً سب سے زیادہ رہی ہوں گی، اجین کو علمی اور مذہبی مرکزیت حاصل تھی، اس علاقہ میں اکالنگا کا مندر دور دور تک مشہور تھا، جنید کے حملوں کے زمانہ میں یہاں کا مذہبی طبقہ بہت زیادہ متاثر ہوا تھا، ملتان کے سورج دیوتا کے مندر کی طرح لوگوں کو خوف ہو چلا تھا کہ اب "اکالنگا" کا مندر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں چلا جائے گا[55]۔ ناگ بھٹ ان عوامی جذبات سے فائدہ اٹھاکر اجین کی شکست کا بدلہ لینے کو تیار ہوگیا، اور بڑھتا ہوا بھروچ تک پہونچ گیا، عوام اور شکست خوردہ راجوں سے بے زاری نے ناگ بھٹ کو اپنی سیاسی طاقت بڑھانے کا موقع فراہم کردیا، چنانچہ اُس نے گجرات کی چالوکیہ ریاست پر قبضہ جالیا[56] شمالی گجرات، راجستھان کا بھی کچھ علاقہ اس کے زیر نگیں ہوگیا تھا[57]، ادھر سندھ کی حالت خراب ہو رہی تھی، تو سدھارنے کے لئے ہشام کی طرف سے دوسرا گورنر حکم بن

---

[54] بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۴۳ - ۴۴۴، یعقوبی: تاریخ، جلد ۲، ص ۱۷، ۳۱۶،

[55] ایچ - سی - رے ڈائنامک ہسٹری جلد ۲، ص ۱۱۶۰، [56] ایضاً ص ۱۰۵۷، ڈاکٹر ڈی شرما: - راجستھان جلد ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳، [57] ایضاً، راجستھان ج ۱ ص ۱۲۲،

عوانہ کلبی سندھ بھیجا گیا جس وقت وہ سندھ پہنچا، یہاں کے سیاسی حالات بہت ہی سقیم ہو چکے تھے گمان غالب ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب ناگ بھٹ کی سیادت میں گجرات راجستھان اور سندھ کے شکست خوردہ راجے ملکر سندھ کی اسلامی حکومت پر حملہ آور ہو گئے تھے[1]، بلاذری کی روایت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سوائے اہل قصہ یعنی رسوراشٹر، پورا ہندوستان عربوں کے خلاف جنگ آزمائی کے لئے امنڈ آیا[2]۔ ہندوستان کی مشترکہ افواج مسلمانوں کو دباتی ہوئی سندھ کے حدود میں داخل ہو چکی تھی، ناگ بھٹ کے اس کارنامہ پر ہندی عوام نے نارائن (خدائی طاقت کا وارث) کے خطاب سے نوازا تھا[3]، عربوں کیلئے یہ صورت حال تشویشناک تھی، لشکریوں کے علاوہ جو مسلمان سندھ کے مختلف علاقوں میں آباد ہو چکے تھے، اُن کی حفاظت کا بھی سوال پیدا ہو گیا تھا، سندھ کے مسلمانوں نے سندھ میں ایک محفوظ مرکز کے قیام کی تجویز پیش کی، جہاں وہ مطمئن و محفوظ ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں، حکم کو یہ تجویز پسند آئی، چنانچہ اُس نے دریائے سندھ (مہران کے مشرقی کنارے) ایک مضبوط قلعہ نما شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام محفوظہ رکھا گیا، اور اسکو عربوں کا مستقل اور مستحکم فوجی ہیڈ کوارٹر بنایا گیا[4]، اس کا شمار ثغر الہند میں ہوا[5]۔ ہندوستان میں عربوں کا بسایا ہوا یہ پہلا شہر تھا۔ جو ۷۳۰ء سے ۷۳۶ء کے درمیان تعمیر ہوا، بقول ڈاکٹر ممتاز پاکستانی محکمۂ آثار قدیمہ نے اپنی حالیہ تفتیش میں اسکے محل وقوع کا پتہ چلا لیا ہے، یہ شہر منصورہ کے مخالف سمت دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر آباد ہوا تھا[6]، حکم بن عوانہ ایک حوصلہ مند اور باتدبیر افسر تھا، اسنے بڑے زبردست دفاعی انتظامات کئے اور اس کے حملوں نے ہندوستانی افواج کو پسپائی پر مجبور کر دیا، اور دوبارہ سندھ کی مملکت پر عربوں کا مکمل کنٹرول ہو گیا[7]۔

---

[1] ڈاکٹر ڈی۔ شرما: راجستھان، جلد ۱ ص ۱۲۱ و ۱۲۰ [2] بلاذری: فتوح ص ۴۴۴،
[3] ڈاکٹر ڈی شرما: راجستھان جلد ۱ ص ۱۲۱ - ۱۲۰ [4] یعقوبی، تاریخ، جلد ۲ ص ۳۱۷
[5] عبد الرؤف عون، الفن العربی فی صدر الاسلام، ص ۲۰۱، [6] ڈاکٹر ممتاز پیر بزنٹ روفینس آف المنصورہ اسلامک کلچر جلد ۱۰ ص ۲۶، حیدرآباد ۱۹۵۸ء [7] بلاذری: فتوح ص ۴۴۴

ظفر نامہ اکبری المعروف بتاریخ خاندان تیموریہ مسمی بہ تیمور نامہ

(عہد اکبری کا ایک مصور نسخہ)

از۔ جناب سید مظفر حسین شاہ صاحب علیگ

عہد اکبری کا یہ نادر مصور نسخہ خدا بخش اورینٹل لائبریری (وقف ۱۸۹۱ء) مرادپور میں جولائی ۱۹۸۳ء کے آخری عشرہ میں میری نظر سے گذرا، یہ نسخہ فارسی مخطوطات کے کیٹلاگ مرآۃ العلوم جلد ۱ فہرست کتب اکبری کے تحت شمارہ فارسی ۱۰۱ پر تاریخ خاندان تیموریہ" کے نام سے درج ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کے بیان کے مطابق اس نسخہ کو خدا بخش خاں متوفی ۱۹۰۸ء نے بادشاہ نامہ" کے مصور نسخہ کے ساتھ ساڑھے تین ہزار روپے میں خریدا تھا[1]۔

اول و آخر کے چند اوراق غائب ہو جانے کی بنا پر یہ نسخہ ناقص ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے اصل نام، مصنف کا تب اور سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن خدا بخش خاں نے شاہجہانی تحریر[2] کی روشنی میں اسے تاریخ خاندان تیموریہ کے نام سے درج فرمایا ہے، جو کسی طرح اس کتاب کا اصل نام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نسخہ پر

---

[1] مولوی خدا بخش عظیم آبادی کا کتب خانہ مطبوعہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۱ء

[2] لوح ثانی نسخۂ ہذا پر شاہجہانی تحریر

بسم اللہ الرحمن الرحیم این کتاب کہ مشتمل است بر مجمل احوال حضرت صاحبقران گیتی ستان و اولاد و اجداد آنحضرت و سوانح ایام حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ تا سال بست و دوم در عہد دولت شاہ بابا تصنیف شدہ حررہ شاہجہان بادشاہ ابن جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ"۔ (کیٹلاگ محبوب الالباب مرتبہ خدا بخش خاں مطبوعہ حیدرآباد دکن ص)

شاہجہانی تحریر کے علاوہ متعدد عرض داشتوں اور تاریخی کتابوں کی روشنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مصور نسخہ دراصل ظفر نامہ کا وہ قیمتی نسخہ ہے جو عہد اکبری ہی کی تصنیف اور شاہی مصوروں کے ہاتھوں مزین ہوا۔ اور آئین اکبری کی ان نو مصور کتابوں میں سے ایک ہے۔ جن کا ذکر آئین اکبری میں ابوالفضل نے مصوری کے باب میں کیا ہے۔[1]

دوسرے آئین اکبری (انگریزی ترجمہ) کے حاشیہ پر لفظ ظفر نامہ کی تشریح مسٹر مورلے (Mr Morley) کے کیٹلاگ کے حوالے سے "A History of Taimur" درج ہے[2] — جس کا اردو ترجمہ "تاریخ خاندان تیموریہ" ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس نسخہ کو ظفر نامہ کے بجائے اس کے ترجمے کو نام ٹھہرانا تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ اور اس مقالہ کا مقصد اسی غلطی کی اصلاح ہے۔

میں نے اس کے اصل نام کی وضاحت کے ساتھ نسخہ کے مصنف، کاتب اور سنہ کتابت پر بھی روشنی ڈال کر تشنگی دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

محققین کی رائے میں نسخہ تاریخ خاندان تیمور کا اصل نام

خان صاحب عبدالمقتدر کتب خانہ خدابخش کے کیٹلاگ کو ترتیب دیتے وقت اس نسخہ کو "تاریخ خاندان تیموریہ" درج کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ خدابخش خان کے زمانے ہی سے نسخہ کا اندراج اسی نام سے چلا آرہا تھا۔ مگر انھوں نے اپنی رائے کا اظہار بھی ان الفاظ میں کر دیا کہ جن نو مصور کتابوں کا ذکر آئین اکبری میں ہے ان میں سب ہی کسی نہ کسی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ سوائے چنگیز نامہ کے یہ نادر نسخہ صرف اسی کتب خانہ میں ہے۔

[1] آئین اکبری (انگریزی) سکنڈ ایڈیشن مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء ص ۱۱۵ [2] ایضاً

اگر کہیں اور ہوتا تو اس کا پتہ ضرور چلتا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ عبدالمقتدر، خدابخش خان کے درج کردہ نام "تاریخ خاندان تیموریہ" سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور یہی رائے سید نجیب اشرف ندوی کی بھی ہے کہ "ابوالفضل نے جن مصور نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں یہ نسخہ چنگیز نامہ ہی ہے"[1]

تاریخ الفی

لیکن مسٹر بیورج Mr Beverage کے خیال میں اس نسخہ میں "تاریخ الفی" کے بھی ماخذ ہیں۔[2] اور ڈاکٹر قیام الدین احمد شعبۂ تاریخ پٹنہ[3] "کو شروع سے آخر تک "تاریخ الفی" کی تیسری جلد ہی تصور کرتے ہیں ڈاکٹر تاراچند، سید احتشام حسین، محبوب اللہ مجیب وغیرہ اس نسخہ کو تیمور نامہ کے نام سے تحریر کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی "تیمور نامہ" کی وضاحت نہیں کرتا کہ یہ لفظ اس نے کہاں سے لیا جب کہ کتب خانہ کے کسی کیٹلاگ میں بھی[4] ...... اس نسخے کا نام تیمور نامہ نہیں تحریر ہے۔ ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ "تیمور نامہ" جو تیمور اور اس کے جانشینوں کی تاریخ ہے اور اکبر بادشاہ کے بائیسویں سال تک کے حالات پر مشتمل ہے۔[5]

[1] معارف اعظم گڈھ ج ۱۱ شمارہ ۳ صفحہ ۱۸۳
[2] "Notes on Persian Mss in Indian Libraries" R.A.S. Journal 1901 -
[3] ایک ذاتی ملاقات۔
[4] محبوب اللباب۔ مراۃ العلوم۔ نوادر خدابخش وغیرہ
[5] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر۔ ص ۳۱۴۔

اس کا جو قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری میں ہے اس میں بہت سارے مصوروں کے نام ملتے ہیں۔[۱] ان سب سے الگ سید حسن عسکری کی رائے ہے کہ "مؤلف کے نام کا پتہ اس میں کسی عبارت سے کہیں پر نہیں چلتا۔ مگر عنوان کتاب "تاریخ خاندان تیموریہ" مصدقہ ہے" لیکن وہ بھی اس دلیل کی کوئی وضاحت نہیں کرتے۔[۲]

عبدالمالک آروی[۳]، شرف الدین علی یزدی کے "ظفر نامہ" کو "تیمور نامہ" اور مسٹر مور لے اسی شرف الدین علی یزدی کے "ظفر نامہ" کو "تاریخ خاندان تیموریہ"[۴] لکھتے ہیں۔ عبدالمقتدر نے عبداللہ ہاتفی کی مثنوی کو "تیمور نامہ" لکھا ہے[۵] اور اسی مثنوی کو نولکشور نے "ظفر نامہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔[۶]

عہد اکبری کے مصور نسخے آئین اکبری میں،

آئین اکبری میں ہے کہ فارسی نامہ ہائے نظم و نثر را پیرایہ بستند و مجلس ہائے دل کشا تصویر شد، قصۂ حمزہ را دوازدہ دفتر ساختہ رنگ آمیز کردند، واستادان سحر پرداز یک ہزار و چہار صد[۱۴۰۰] راحیرت افزائے دیدہ وراں گردانید "چنگیز نامہ" و "ظفر نامہ" و این اقبال نامہ و رزم نامہ و راماین و نلدمن و کلیلہ و دمنہ و عیار دانش وجز آن بہ پیکر نگاری بر آراستند۔"

لفظ این اقبال نامہ سے پیدا شدہ غلطیاں،

بلاک مین Blochmann نے اپنے انگریزی ترجمہ میں "این اقبال نامہ" کا ترجمہ This کیا ہے۔[۷] اور عبدالمقتدر اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنے انگریزی[۸] اور اردو ترجموں میں "این اقبال نامہ"

---

[۱] ماہنامہ آج کل اگست ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۶ [۲] نوادر خدا بخش صفحہ ۱۱۳-۱۱۹ [۳] مضامین مالک۔ [۴] آئین اکبری (انگریزی) صفحہ ۱۱۵ [۵] مرآۃ العلوم جلد اول صفحہ ۵ [۶] فہرست کتب مطبوعہ نولکشور ۱۹۲۹ء [۷] آئین اکبری (انگریزی) صفحہ ۱۱۵ [۸] K.K 41-48 . D.C. Vol VII [۹] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے مطبوعہ معارف اعظم گڈھ

کا ترجمہ "اکبر نامہ" کیا ہے جب کہ "این اقبال نامہ" سے مراد "آئین اکبری" بننا چاہیے۔ کیونکہ ان کتابوں کا ذکر "آئین اکبری" کے آئین ۳۴ کے باب مصوری میں ہے۔ یہی رائے سر سید کی بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

"آئین اکبری در عہد اکبری بہ تصاویر آراستہ بود امادرین زمان ازان نشانی نیست"[۱۰] اس تحریر سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سر سید کو جب "آئین اکبری" کا کوئی مصور نسخہ ملا ہی نہیں تو پھر کن بنیادوں پر یہ تحریر کیا کہ "آئین اکبری" بھی مصور ہوئی تھی۔؟ میرے نزدیک یقیناً وہ لفظ "این اقبال نامہ" ہی تھا۔ اگرچہ آج کچھ افراد "آئین اکبری" کو "اکبر نامہ" کا ہی ایک جزو تصور کرتے ہیں۔

کیا "آئین اکبری" "اکبر نامہ" کی تیسری جلد ہے؟

میری رائے میں "آئین اکبری" کو "اکبر نامہ" تصور کرنا بالکل غلط ہے۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ نوعیت کی کتابیں ہیں ——— جس میں ایک کا تعلق آئین (Acts) سے ہے۔ اور دوسرے کا تاریخ (History) سے۔ یہ صحیح ہے کہ دونوں کا مصنف ابو الفضل ہی ہے۔

"آئین اکبری" ۴۲ سنہ جلوس اکبری یعنی ۱۰۰۶ھ مطابق ۱۵۹۷ء میں مکمل ہو گئی تھی۔ لیکن "آئین اکبری" (انگریزی) کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح برار کے بعد ۴۳ سنہ جلوس میں اور اضافہ کیا گیا۔ "آئین اکبری" کو اکبر نامہ" کی تیسری جلد کہنے والوں میں سے (مترجم انگریزی "آئین اکبری") "ابو الفضل کے حالات میں درج کرتا ہے کہ "اکبر نامہ" کی دوسری جلد ۴۶ سنہ جلوس یعنی ۱۰۱۲ھ

---

[۱۰] آئین اکبری (فارسی) مطبوعہ از سر سید احمد خان۔

مطابق ۱۶۰۲ء میں ابوالفضل کے قتل ہونے کی وجہ سے ناتمام رہ گئی۔ اور اکبر کی وفات ۱۶۰۵ء تک کے بقیہ حالات عنایت اللہ محب علی یا بہ قول الفنسٹن محمد صالح نے مکمل کیے۔

اب غور کیا جائے کہ جب "اکبر نامہ" کی دوسری جلد ۴۶ جلوس میں ابوالفضل کے قتل کی وجہ سے ناتمام رہ گئی۔ تو پھر ابوالفضل نے تیسری جلد آخر مکمل کیسے کی۔ اور اگر مورخین اب بھی اسے تیسری جلد سے ہی موسوم کریں تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ "آئین اکبری" کا مصنف ابوالفضل نہیں کوئی اور ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ابوالفضل نے "آئین اکبری" پہلے مرتب کی اس کے بعد "اکبر نامہ" لکھنا شروع کیا۔ جو اکبر اعظم کے عہد کی ایک جامع تاریخ ہے۔ مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور اکبری عہد کے باقی ماندہ حالات دوسروں نے مکمل کیے۔

میری رائے میں مورخین نے لفظ "نامہ" سے جو "اکبر نامہ"، "ظفر نامہ"، "رزم نامہ"، "سکندر نامہ" وغیرہ جیسی بیسیوں کتابوں میں استعمال کیا گیا ہے اور "آئین اکبری" میں درج "چنگیز نامہ"، "ظفر نامہ" کے بعد "اقبال نامہ" اور "رزم نامہ" کے اندراج سے "اقبال نامہ" کو بھی تاریخ کی ہی کتاب سمجھ لیا۔ اور جب اسے تاریخ سمجھ لیا گیا تو ابوالفضل کی تصانیف میں فن تاریخ سے متعلق ایک کتاب کو "اکبر نامہ" کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ اس لیے لفظ "آئین" سے اس کتاب کو بھی "اکبر نامہ" کا ہی جز سمجھ کر اسے بھی اسی کی تیسری جلد کہنے لگ گئے۔ لیکن یہ ایک ایسی غلطی ہے جو تاریخ پر ستم ہے۔

لفظ "این" واضح طور پر "آئین اکبری" ہی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر ابوالفضل خود اس لفظ سے "اکبر نامہ" مراد لیتا تو پھر جملہ اس طرح ہوتا۔ "اقبال نامہ

این فقیر"۔ لیکن اس کے بجائے۔ "این اقبال نامہ" درج ہے۔ جس کے معنی واضح طور پر "یہ کتاب" ہوئے۔ اور یہی ترجمہ بلاک مین (Blockman) نے بھی کیا ہے۔ یعنی .... and this book ...... اور سر سید احمد خان کا کہنا بھی یہی ہے۔ ورنہ وہ "آئین اکبری" کا مصور کیا جانا کبھی تسلیم ہی نہیں کرتے۔

"آئین اکبری" میں مذکور مصور نسخوں کی موجودہ ملکیتیں!

(۱) داستان امیر حمزہ:۔ جس کی بارہ جلدیں ۱۳۷۰ تصاویر کے ساتھ چار سو اوراق پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے تقریباً ایک سو پچاس ۱۵۰ کا اب تک پتہ چلا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) وکٹوریہ البرٹ میوزیم ساؤتھ کنگسٹن، لندن۔ (۲) انڈسٹریل میوزیم وائنا۔ (۳) میٹرو پولیٹن میوزیم امریکہ۔ ہندوستان میں اب تک اس کے صرف چھ ورقوں کا پتہ چلا ہے۔ (۴) کلا بھون بنارس۔ دو ورق (۵) اودھ شیر میوزیم بمبئی دو ورق۔ (۳) بڑودہ میوزیم ایک ورق (۴) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن ایک ورق

(۲) چنگیز نامہ:۔ (مصور) اس کا ایک نسخہ پیرس کے میوزیم (Musee Grinzly) میں دوسرا شاہی کتب خانہ طہران میں ہے۔
تعجب ہے کہ عبدالمقتدر نے یہ کیسے لکھا کہ "یہ نسخہ کہیں نہیں ہے"!

(۳) ظفر نامہ مصور (اکبری) المعروف بہ تاریخ خاندان تیموریہ مسمّٰی بہ "تیمور نامہ" مملوکہ کتب خانہ خدا بخش مراد پور پٹنہ۔[1]

(۴) آئین اکبری:۔ مصور [این اقبال نامہ] اس کا مصور نسخہ

[1] زیر بحث نسخہ۔

امتداد زمانہ سے ضائع ہو گیا یا محققین کی نظروں سے ابتک روپوش ہے۔ بہر کیف کو جب اس کا مصور نسخہ نہ مل سکا تو انھوں نے دہلی کے ایک مصور سے "آئین اکبری" مطبوعہ نسخہ کے لیے عہد اکبری کی یادگاروں کو مزین کرایا جو آج انگریزی ترجمہ بلاک مین (Block man) میں بھی نظر آتا ہے۔

(۵) رزم نامہ (مصور) مملوکہ پوتھی خانہ جے پور[۱] (۶) "راماین" مصور مملوکہ میٹرو پولین میوزیم واشنگٹن، امریکہ[۲] (۷) "نلدمن" مصور مملوکہ وکٹوریہ میموریل۔ کلکتہ[۳] [نواب مرشد آباد سکشن میں ہے۔] (۸) کلیلہ و دمنہ مصور مملوکہ برٹش میوزیم لندن

عیار دانش مصور، کل ۱۶۴ تصاویر میں سے ۹۶ تصاویر چیز بیٹی میوزیم لندن اور ۲ ورق دہلی آرٹ نمائش ۴۸ء میں رکھے گئے تھے۔[۴]

اس کے علاوہ:- "تاریخ الفی" کا مصور نسخہ، مملوکہ برٹش میوزیم لندن[۵] اور دو ورق دہلی آرٹ نمائش ۴۸ء میں موجود تھے۔[۶]

اور ان متذکرہ بالا نو نسخوں کے علاوہ "اکبر نامہ" کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

[۱] سکنڈ ایڈیشن ۶۵ء مطبوعہ دہلی۔ [۲] تمدنی جلوے ص ۵۰۹

111 edition. P Fine art in India by smith

[۳] کیٹلاگ وکٹوریہ memorial an ceylone [۴] ۔۔ ص ۵۶۶ [۵]

میموریل [نواب مرشد آباد سیکشن] کلکتہ۔ [۵] تمدنی جلوے ص ۵۰۹ [۶] ماہنامہ آجکل ۱۵ دسمبر ۴۸ء ص ۵۰۳ Art of Paing in India in [۵]

ماہنامہ آجکل ۱۵ دسمبر ۴۸ء ص ۵۰۳ [۶] ماہنامہ 16Th century ey srivastava

P 112

اکبر نامہ۔ (مصور):- ع ۱۱۷ تصاویر وکٹوریہ البرٹ میوزیم لندن[۱] چند تصاویر چیز بیٹی میوزیم لندن۔[۲] چند تصاویر بوڈلین لائبریری اکسفارڈ یونیورسٹی[۳] چند تصاویر انڈین میوزیم کلکتہ۔[۴]

ان نسخوں کی موجودہ ملکیتوں کی تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "عہد اکبری" کے "چنگیز نامہ" اور "تاریخ الفی" دونوں کے مصور نسخے موجود ہیں۔ سوائے "ظفر نامہ" (اکبری) کے اگر عبد المقتدر کیٹلاگ میں تحریر کر دیتے کہ "ظفر نامہ" کا نسخہ کس کتب خانہ یا عجائب خانہ میں ہے تو یہ مسئلہ ہی کھڑا نہ ہوتا۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ صاحبقراں امیر تیمور سے لے کر اکبر اعظم تک تین ظفر نامے علی الترتیب ملتے ہیں۔ جو شاہان تیموریہ کے الگ الگ عہد میں اُن کے حکم سے لکھے اور مصور کیے گئے۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کا مصنف و مصور بھی جدا ہے۔ جس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

شاہان تیموریہ کے تین ظفر نامے

(۱) "ظفر نامہ" مرتبہ نظام الدین شامی سنہ تصنیف وفات امیر تیمور ۸۰۷ھ ۱۴۰۵ء سے ایک سال قبل یعنی ۸۰۶ھ ۱۴۰۴ء[۵] یہ نسخہ بحکم شاہ رخ مرزا ابن صاحبقران امیر تیمور ۸۳۱ھ مطابق ۱۴۳۰ء میں مصور گنگ النقوہ المحررین کے ہاتھوں مزین ہوا۔[۶]

---

[۱] تمدنی جلوے D.C vol VII C.T.P 41 - 48 [۲]

[۳] D.C vol VII CK.P 41-48 [۴] بزم تیموریہ ص ۳ بحوالہ برٹش میوزیم کیٹلاگ فارسی جلد نمبر ۱

[۵] شمارہ [۶] K.113 Art of Lainting in India in 16 th century

(۲) ظفر نامہ:- مرتبہ شرف الدین علی یزدی متوفی ۸۳۳ھ ۱۴۳۴ء، امیر تیمور کی وفات کے چالیس سال بعد ۸۳۸ھ مطابق ۱۴۳۵ء میں تصنیف کیا گیا۔ اس نسخہ کو بہزاد ہروی نے بہ حکم سلطان حسین مرزا [۸۴۲ھ ۱۴۳۸ء۔ ۹۱۱ھ ۱۵۰۶ء] بن منصور بن بائیقرا بن مرزا ۸۹۱ھ مطابق ۱۴۸۶ء میں مصور کیا۔

"بزم تیموریہ" کے مصنف صباح الدین عبد الرحمٰن "اکبر نامہ" جلد اول ص ۱۳۶ کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ ہمایوں بادشاہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ہمراہ رکھا کرتا تھا۔ اور جنگ کھمبات کے محاصرہ کے وقت بھی تاریخ تیمور کا وہ نسخہ جسے بہزاد ہروی نے مصور کیا تھا، ساتھ تھا۔ جو شاہی خیمہ پر شبخون پڑنے کی وجہ سے جاتا رہا۔ لیکن پھر فوراً واپس مل گیا۔[1] اب یہ قیمتی مصور نسخہ مسٹر گیرٹ کی ملکیت ہے۔[2] عبد المالک آروی تحریر کرتے ہیں ——— "تیمور نامہ" کے نقش جو مسٹر گیرٹ کے پاس ہیں۔ اسے سر ٹامس ارنلڈ نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اس میں بہزاد ہروی نے فن مرقع سازی کو ایک بدیع تمثیل اور قوت سے استوار کیا ہے۔"[3]

Persian miniature. Pain Ting London 1933 جس کے مصنفین J.V. S. wilKnrare اور L. Bi yon اور B.Grey وغیرہم ہیں۔۔ اس کتاب کا نام "ظفر نامہ" درج کرتے ہیں۔ ص ۹۱-۹۲ اور اس کی کچھ تصاویر کو بہزاد ہروی کی بنائی ہوئی کہتے ہیں۔

---

[1] بزم تیموریہ ص ۵۳ و ص ۵۲۔ [2] ماہنامہ کاروان جالندھر لاہور ۱۹۳۳ء صفحات ۳۴۰۔۳۴۱۔ [3] مضامین مالک آروی

(۳) ظفر نامہ (اکبری):- مرتبہ مرزا قوام الدین جعفر بیگ قزوینی المعروف بہ آصف خان [ثالث] متوفی ۱۰۲۱ھ المتخلص جعفر ——— یہ نسخہ بحکم اکبر شاہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء میں مرتب ہوا، اور ۹۹۲ھ ۱۵۸۴ء میں مصور کیا گیا، جو آج کتب خانہ خدا بخش کی ملکیت ہے۔

لفظ "ظفر نامہ" کی تشریح | لفظ "ظفر" فتح، نصرت، اور کامرانی، کے معنوں میں آتا ہے۔ انگریزی میں [VICTORY] اور (TRUIMPH) اس کے لیے استعمال ہوتے ہیں "نامہ" تاریخ کتاب اور خط کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس طرح "ظفر نامہ" کے معنی "فتح و نصرت کی تاریخ یا کامرانیوں کی کتاب" ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ "A. Book of pleasure" "A History of victory," "A. History of Truinph. "Abook of happiress" ہے۔ لیکن مسٹر مورلے (Mr. Morley) نے اس کی تشریح "A History of The house of Tnnusr" کی اور اسی روشنی میں خدا بخش نے زیر بحث نسخہ کا نام "تاریخ خاندان تیمور" رکھ دیا۔ جو اس کا نام نہیں۔ بلکہ کتاب کی وضاحت ہے۔

مسٹر مورلے آگے چل کر خود لکھتے ہیں کہ اس کا مصنف شرف الدین علی یزدی متوفی ۸۳۲ھ مطابق ۱۴۲۶ء ہے۔ یہیں سے پیدا ہوتا ہے کہ نسخہ کا نام "تاریخ خاندان تیموریہ" تو رکھ دیا لیکن اسی

"ظفر نامہ" اس لیے نہیں کہتے کہ اس کا مصنف شرف الدین علی یزدی [متوفی ۸۵۸ھ] ہے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ "ظفر نامہ" نام کی کتابیں مثنوی، خط وغیرہ صرف شرف الدین علی یزدی نے نہیں، بلکہ بارہ[۱۲]، تیرہ[۱۳]، آدمیوں نے لکھے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ "ظفر نامہ" مؤلفہ حکیم بوذرجمہر[بزرجمہر] برائے نوشیروان عادل[۱]

۲۔ " " نظام الدین شامی " صاحبقران امیر تیمور ۸۰۴ھ/۱۴۰۲ء[۲]

۳۔ " " ملا شرف الدین علی یزدی " خاندان تیموریہ ۸۲۸ھ مطابق ۱۴۲۵ء[۳]

۴۔ " " فیضی " جلال الدین اکبر بادشاہ ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء[۴]

۵۔ " " آصف خان جعفر بیگی " بموقع "فتح گجرات" ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء[۵]

۶۔ " " یوسف علی بن محمد الحسینی الجرجانی " حیدر مرزا دوغلت[۶] [صاحب مصنف تاریخ رشیدی]

۷۔ " " عبداللہ ہاتفی[۷] " [بھانجہ ملا عبدالرحمن جامی][۸]

---

[۱] مراۃ العلوم جلد دوم ص ۱۱۴۔ [۲] بزم تیموریہ ص ۲ مملوکہ برٹش میوزیم کیٹلاگ فارسی جلد ۱ ص ۱۶۰۔ [۳] یہ نسخہ چھپ چکا ہے۔ اور بہت مشہور ہے۔ [۴] معارف جلد ۳ شمارہ ۴ ص ۲۹۵ (مثنوی) [۵] زیر بحث نسخہ۔ [۶] معارف جلد ۲۳ شمارہ ۶ ص ۴۲۵ (مثنوی) مملوکہ رضا لائبریری رام پور۔ [۷] مراۃ العلوم جلد اول ص ۵، نے تیمور نامہ درج کیا [۸] مگر نولکشور نے فہرست مطبوعہ ۱۲۹۶ھ میں ظفر نامہ تحریر کیا ہے۔

۸۔ "ظفر نامہ" مؤلفہ قدسی برائے شاہ جہاں بادشاہ[۱]

۹۔ " " مرتضیٰ علی قاچار " بحکم شاہ جہاں بادشاہ ۱۰۶۶ھ مطابق ۱۶۵۶ء مقدمہ ظفر نامہ[۲]

۱۰۔ " " عاقل خان رازی عسکری " اورنگزیب عالمگیر [بعد فتح دکن][۳]

۱۱۔ " " غلام علی خان لطیف " بہ عہد ابوالحسن تانا شاہ دکنی [اردو][۴]

۱۲۔ "تاریخ ظفرہ" مرتبہ گردھاری لال " در تاریخ شیواجی ۱۱۸۵ھ[۵]

۱۳۔ "فتح نامہ" " شاہ طاہر دکنی[۶]

۱۴۔ ضمناً "ظفر" ایک اکبری ڈھال[۷]

۱۵۔ "ظفر نامہ" گرو گوبند سنگھ بنام اورنگزیب مطبوعہ پنج خالصہ بہ حوالہ سکھ مسلم اتحاد ص ۱۴۵ احمدیہ مشن

۱۶۔ ظفر محل بہادر شاہ ظفر نے اپنے لیے تعمیر کرایا تھا۔

اس نسخہ کے نام میں اختلافات کی تفصیل (الف) عبداللہ ہاتفی کی مثنوی کو مراۃ العلوم کے مصنف نے "تیمور نامہ" لکھا ہے اور اسکو نولکشور نے "ظفر نامہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔

---

[۱] مراۃ العلوم جلد اول ص ۱۰۳۔ [۲] کیٹلاگ Ironhoe "مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ [۳] مراۃ العلوم جلد اول ص ۱۶۱ اور بزم تیموریہ ص ۲۶۸ ۱۔ اس نسخہ کا دوسرا نام اورنگ نامہ بھی ہے۔ [۴] معارف جلد ۲۳ شمارہ ۶ ص ۴۲۵ انڈیا آفس کیٹلاگ مملوکہ ۱۰۹ ص ۵۸۔ [۵] معارف جلد ۲۰ شمارہ ۳ ص ۱۵۵ [۶] مراۃ العلوم جلد دوم ص ۱۳۷ [۷] سفرنامہ برنیر اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی ص ۵۷۳

(ب) ڈاکٹر تاراچند اور سید احتشام حسین وغیرہ "تاریخ خاندان تیموریہ" کو "تیمور نامہ" کہتے ہیں۔

(ج) عبدالمالک آروی، شرف الدین علی یزدی کے "ظفر نامہ" کو "تیمور نامہ" لکھتے ہیں۔

(د) مسٹر مورلے نے، شرف الدین علی یزدی کے "ظفر نامہ" کی تشریح "تاریخ خاندان تیموریہ" کی ہے۔

(ہ) خدابخش خان نے زیر بحث نسخہ کا نام "تاریخ خاندان تیموریہ" درج کیا ہے۔

(و) عبدالمقتدر، سید نجیب اشرف، مسٹر بیورج اور ڈاکٹر کلیم الدین احمد "تاریخ خاندان تیموریہ" کے عنوان سے اتفاق ہی نہیں کرتے۔

(ز) میرے نزدیک یہ تمام اختلافات فضول ہیں، یہ نسخہ دراصل "ظفر نامہ" [اکبری] ہی ہے۔ جس کا ذکر "آئین اکبری" میں مصور کتابوں کے ضمن میں آیا ہے۔ اور جب "آئین اکبری" نے یہی نام لکھا ہے تو دوسرا نام دینا غلط ہوگا

لوح اول کی ایک تحریر اس نسخہ پر عہد مغلیہ کے اشخاص کی مختلف تحریریں اور عرضداشتیں درج ہیں۔ ایک تحریر لوح اول پر اس طرح درج ہے۔

"بتاریخ ۲۹ جمادی الثانی سنہ [illegible] جلوس، شرف از اخیر فیض این گذشت و بہ عرض مقدس رسید کہ داخل جمع "ظفر نامہ" شد بہ قیمت ہشت ہزار روپیہ"

اس نسخہ پر کہیں بھی لفظ "تاریخ خاندان تیموریہ" درج نہیں ہے۔

البتہ شاہجہاں کے قلم کی یہ تحریر مرقوم ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"این کتاب کہ مشتمل است بر مجمل احوال حضرت صاحبقران گیتی ستان و اولاد امجاد آنحضرت و سوانح ایام حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ تا سال بیست و دوم در عہد دولت شاہ بابا تصنیف شدہ"

حررہ شاہجہاں بادشاہ ابن جہانگیر بن اکبر بادشاہ

اس تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب تیمور اور اس کے خاندان کی ۲۲ سنہ جلوس اکبری تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اس روشنی میں نسخہ کا نام جو "تاریخ خاندان تیموریہ" رکھ دینا درست نہیں۔

رہا سوال "بر مجمل احوال" تو اس کی وضاحت مقدمہ کے اس جملے سے ہی ہو جاتی ہے۔ "بموجب حکم جہاں مطاع مسعود اوراق این جزو شرح احوال کہ مقصود بالذات فن تاریخ است ملی نویسد[1] احوال ہیں تو تاریخ سے متعلق لیکن مرتب بادشاہ کے حکم سے چیدہ چیدہ واقعات کسی خاص مقصد کے تحت درج کر رہا ہے۔

اور مقدمہ کی عبارت "وصاحب "ظفر نامہ" کہ فی الواقع رشک

---

[1] پہلا موجودہ صفحہ زیر بحث نسخہ شروع کے، ورق پر صرف تصاویر ہیں اس کے بعد لفظ بموجب حکم سے موجودہ نسخہ شروع ہوتا ہے۔

وشک بدون الائق است چوں احوال حضرت صاحبقران را علیحدہ کتابی کردہ بہ قدر مقدور در پاکیزگی عبارت کوشیدہ[1]" ثابت کر رہی ہے۔ کہ مرتب کے سامنے شرف الدین علی یزدکا "ظفر نامہ" موجود ہے۔ لیکن کسی مقصد کے تحت اس کی تفصیلی شرح کرنے سے مانع ہے۔

"وتعبیراو در شرح احوال بایں عبارت کوتاہ محتاج عذر خواہی بسیار است"

وہ مقصد کیا تھا | تیموری خاندان کی فتوحات اور عظمت کو نمایاں کر کے دنیا کو یہ بتانا کہ مغلیہ خاندان اپنے آباد اجداد کے زمانے سے ہی فاتح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کے کارنامے ایسے ہیں۔ جنھیں مثالاً پیش کیا جائے۔

اس لیے اکبر کے حکم سے جہاں "رزم نامہ" [مہابھارت] مصور کیا گیا وہیں۔ "ظفر نامہ" کو مصور کرانا بھی سیاسی نقطہ نگاہ سے اہمیت رکھتا ہو۔ اگر اہل ہند کے پاس اپنے پرکھوں کی داستانِ عظمت "رزم نامہ" کی شکل میں موجود ہے تو تیموری خاندان اور خود اکبر کی بھی اپنی فتح و نصرت کی ایک تاریخ رکھتی ہے۔ اور اسے مصور کرانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اگر کوئی تحریری طور پر اس سے استفادہ نہ کر سکے۔ تو وہ تصاویر سے ہی مقصد تصنیف سمجھ لیے کیونکہ مصوری وہ واحد زبان ہے جو ہر چیز کی ترجمانی کرتی ہے۔ چنانچہ آج چار سو برس گذر جانے کے باوجود ان کی تصاویر عبارتوں کو پڑھے بغیر اور اس کا عنوان A History of Triumph and Victory فتح و نصرت کی مرقع کشی کر رہی ہے۔ جو اکبر اور تیموری خاندان کو حاصل تھا۔ اور جس میں اکبر ایک خاص امتیاز رکھتا ہو۔

---

[1] تحریر بر صفحہ اول زیر بحث نسخہ

اب میں بلا کسی شک و شبہ کے اس نسخہ کو "ظفر نامہ" قرار دے کر لفظ "اکبری" سے محقق کرتا ہوں تاکہ "ظفر نامہ تیموری، سلطان حسین مرزائی اور ظفر نامہ اکبری میں امتیاز قائم رہے۔ ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں مصوری کے باب میں جس کا ذکر کیا ہے۔ بلا شبہ یہ وہی مصدقہ نسخہ ہے جس کا کوئی دوسرا نسخہ موجود نہیں۔ اس کے اجزا اگر کہیں ہیں تو اس کے غائب شدہ اوراق ہی ہو سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ خود لوح کی یہ تحریر "بہ عرض رسید کہ جمع "ظفر نامہ" شد بہ قیمت ہشت ہزار روپیہ" اس نام کی وضاحت کرتی ہے۔

خانوادۂ بیدل عظیم آبادی

از

جناب احسن الظفر صاحب ریسرچ اسکالر لکھنؤ یونیورسٹی

ہندوستان کے مشہور فارسی گو شاعر مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی (۱۰۵۴ھ تا ۱۱۳۳ھ) کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یہ بھی اُن کی جائے پیدائش کی طرح نہایت دلچسپ اور مختلف فیہ بحث ہے۔ تذکرہ نویسوں کے علاوہ بیدل پر لکھنے والے ماضی قریب کے مصنفین نے بھی مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے، اس مختصر مضمون میں ایک قریب بہ یقین نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اُسے نقش آخر نہیں کہا جا سکتا،

بیدل کے والد کا نام مرزا عبدالخالق تھا، مرزا عبدالخالق کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی سپاہی تھے، مگر جلد ہی اس پیشے سے دست بردار ہو کر تصوف کے کوچے میں آ گئے، اور مولانا کمال فاروقی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر سلوک کے منازل طے کرنے لگے،

تذکرہ نویسوں نے بیدل کے خاندان کے متعلق چار قول نقل کئے ہیں:۔ ارلاس[1] برلاس، ارلات، ارلامی، اور ایک پانچواں قول مغربی مصنف جان ریپکا (Jin Rypka) نے

[1] مرأۃ الخیال لودی، ید بیضا آزاد، سفینہ خوشگو، نتائج الافکار قدرت اللہ، تذکرۃ الشعراء عبد الغنی خان انتخابی [2] مخزن الغرائب علی قلی خان، نشترِ عشق [3] سفینہ مسرت درگاداس، خلاصۃ الکلام ابراہیم خان خلیل، صحت ابراہیم خاں خلیل، صحف ابراہیم خاں، [4] مجمع النفائس خان آرزو ص ۶۵،

صدرالدین عینی کی کتاب کے حوالے سے ازبک نقل کیا ہے[5]، ان پانچوں اقوال میں کون زیادہ صحیح ہے خاکسار نے اپنے قیام پٹنہ کے دوران میں اس سلسلے میں پروفیسر حسن عسکری سابق صدر شعبۂ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی کی طرف جو تاریخی موشگافی کے لئے مشہور ہیں، رجوع کیا، انھوں نے صرف اس قدر جواب دیا:۔

"ارلاس زیادہ صحیح ہے، جاپان میں اس قبیلے پر ایک مقالہ لکھا گیا ہے"

پروفیسر عسکری کی وسعتِ معلومات خصوصاً تاریخ پر گہری نظر کی بنا پر اُن کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، مگر اُن کا مختصر جواب تحقیق کے طالب علم کی پیاس نہیں بجھاتا، یہ بات اس وقت اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے جب اُن کے مقابلہ پر کچھ وزنی رائے بھی موجود ہے، پروفیسر غلام حسن مجددی (کابل یونیورسٹی) نے اپنی کتاب "بیدل شناسی" میں جس انداز سے محاکمہ کیا ہے اس سے بات بڑی حد تک مستند ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"زیادہ قابلِ اعتماد مرأۃ الخیال کے مصنف شیر خاں لودی کا قول ہے، لودی نے اپنے تذکرے میں بیدل کا حال لکھنے کے بعد نظر ثانی کے لئے بیدل کو دیا، اس طرح اُس نے اپنی تحریر کو بیدل کی نظر سے گذار کر اس پر سند کی مہر لگا دی، مرأۃ الخیال میں اُس نے بیدل کے قبیلے کا نام "ارلاس" لکھا ہے، ارلاس مغلوں کی ایک شاخ کا نام ہے، لہٰذا قبیلہ ارلاس کی شہرت اگرچہ بہت کم ہے، مگر یہی قبیلہ ہے جس سے بیدل کا تعلق تھا"[6]

[5] جان ریپکا نے اپنی کتاب (History of Iranian Literature) میں ایک تاجکستانی ادیب و شاعر صدرالدین عینی کے حوالے سے جنھوں نے بیدل پر ایک کتاب لکھی ہے "بیدل اور بیدلیات" کے زیرِ عنوان لکھا ہے، (His family was of Uzbek Descent)

[6] بیدل شناسی غلام حسن مجددی ج ۱ ص ۷

پروفیسر مجددی کا استدلال بلاشبہ قوی ہے، مگر فارسی کی تمام اہم فرہنگوں اور انسائیکلوپیڈیا کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ارلاس "عقل فلک عطارد" کا نام ہے[1]، یہ نام کسی قبیلے کے نام سے مناسبت نہیں رکھتا اور نہ کسی قبیلے کے نام کی حیثیت سے کسی فرہنگ میں اس کا ذکر آیا ہے، ہرچند کہ ارلات، ارلاس، برلاس اور اولالی چاروں قوم کے ناقلین نے اسے چغتائی تورانی الاصل کی ایک شاخ قرار دیا ہے، اور خوشگو کی تصریح کے مطابق بیدل کا تعلق مغلوں کی چار شاخوں میں سے "ارلاس" سے تھا[2]، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کہ لفظ "ارلاس"، جیسا کہ پروفیسر مجددی نے ثابت کیا ہے، اگر قابل ترجیح ہے تو پھر لغت کی کتابوں اور مآخذ میں کسی قوم کے نام کی حیثیت سے اس کا ذکر کیوں نہیں آتا، خصوصاً جب کہ سراج الدین علی خاں آرزو جیسے لغت داں شاعر و ادیب تمام تذکرہ نویسوں سے جدا "اولامی" ضبط کرتے ہیں، تو بات اور پیچیدہ ہو جاتی ہے، شیر خاں لودھی اور بندرابن داس خوشگو دونوں کے بیانات ایک سے ہیں، اس لئے یہ قول اس لحاظ سے مضبوط ہے، کہ دونوں بیدل کے معاصر اور دوست یا شاگرد رہے ہیں، مگر خان آرزو کو بھی دو دفعہ مرزا کی صحبت حاصل ہوئی ہے، ان کا بیان دونوں سے الگ ہے،

"برلاس" کے بارے میں لکھا ہے کہ "مرد دلاور و بہادر و پاک نژاد کو کہتے ہیں"[3]، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ قبیلے کا نام ہو سکتا ہے، جو بہادری، دلیری اور بے جگری کی خصوصیات کا حامل رہا ہو، ایک ترکی لغت میں لکھا ہے:

"برلاس بفتح با و سکون رائے مہملہ و فتحہ لام بالف و سکون سین قومی چغتائی جوان شجاع"[5]

---

[1] فرہنگ نفیسی، ناظم الاطبا ج ۱ ص ۱۸۰ [2] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۳ [3] فرہنگ نفیسی ناظم الاطبا ج ۱ ص ۵۸۳
[5] لغت ترکی، محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء ص ۱۱۶، اس لغت کا سرورق غائب ہے مگر مطالعے سے معلوم ہوا کہ ترکی بفارسی لغت ہے،

اس کے مقابلے میں "ارلاس" کافی تلاش کرنے پر بھی نہیں ملا، اس سے پروفیسر عسکری کے بیان کی تائید ہوتی ہے،

اس قول کے راوی صاحب مخزن الغرائب علی قلی خاں اور صاحب نشتر عشق حسین قلی خاں ہیں، مگر ان سے بیدل کی ملاقات نہیں ہوئی ہے، اس لئے ان کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، مگر جب ہم چار عنصر کے ساتھ بہار کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ قول زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے،

چار عنصر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی نسل میں کئی پشت سے سپہ گری چلی آ رہی تھی، ان کے والد مرزا عبدالخالق سپاہی تھے، چچا مرزا قلندر جنھوں نے باپ کے انتقال کے بعد بیدل کی کفالت اپنے ذمہ لی چند فوجیوں کے سرخیل تھے، مرزا قلندر کے ایک رشتہ دار مرزا عبداللطیف شاہ شجاع کی فوج میں اچھے منصب پر فائز تھے، خود بیدل تین برس مرزا عبداللطیف کے ساتھ آبائی پیشہ سے وابستہ رہے، تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ جن قوموں نے وقتاً فوقتاً ہندوستان پر حملہ کیا، اور بعد میں یہیں بس گئیں، انہی میں سے کسی ایک سے بیدل کے آباء و اجداد کا تعلق تھا،

دوسری جانب عہد مغلیہ کی تاریخ کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "برلاس" قبیلے کے کئی تعلقہ دار اور جاگیردار یا صوبیدار صوبہ بہار میں تھے، مثلاً منور خاں برلاس اورنگ زیب کے عہد میں صوبہ بہار کے چین پور علاقے کا جاگیردار تھا، (۱۰۷۰ھ تا ۱۰۷۱ھ)[1] دوسرا سلطان جنید برلاس کا نام آتا ہے، یہ بابر کے عہد میں کڑہ مانک پور (بہار) کا حاکم تھا[2]، اسی طرح ایک نام محمد قلی خاں برلاس[3] کا آتا ہے، یہ اکبر کی طرف سے

---

[1] تاریخ محمدی تالیف ص ۶۵-۳۶۴، [2] ایضاً، ۱۷۷، [3] ایضاً،

بہار کا صوبیدار مقرر ہوا تھا، ان ناموں سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ صوبہ بہار میں اس خاندان کے لوگ رہتے تھے، اور ان کے اکثر افراد فوجی یا انتظامی امور سے وابستہ رہے ہیں اس لئے کچھ عجب نہیں کہ بیدل کا تعلق اسی خاندان سے ہو،

رہا شیر خاں لودی کا قول تو ہوسکتا ہے بیدل نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی ہو، اور یونہی سرسری طور پر مطالعہ کرکے واپس کردیا ہو،

تیسرا قول درگا داس صاحب سفینۂ عشرت اور علی ابراہیم خان خلیل صاحب صحف ابراہیم کا ہے یعنی بیدل کے خاندان کا نام "ارلات" تھا، یہ لفظ بھی کہیں فرہنگ میں نہیں ملتا، البتہ پروفیسر غلام حسن مجددی اپنی تالیف میں اس خاندان سے متعلق لکھتے ہیں کہ :

"راجع بطائفہ ارلات می گویند کہ پس از مرگ پدر چنگیز خاں، مادرش با یک نفر کومنگلگ ایزکہ "نام داشت ازدواج نمود، پسر دوم منگلگ ایزکہ ارلات "نام داشت"[۱]

چوتھا قول خان آرزو کا ہے یعنی بیدل کا تعلق "اولامی" قبیلے سے تھا، اس کا بھی فرہنگ وغیرہ میں کوئی پتہ نہیں ملتا ہے،

پانچواں قول، صدرالدین عینی کا ہے یعنی بیدل ازبک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، صدرالدین عینی روس میں سب سے پہلے بیدل پر توجہ کرنے والے تاجکستانی ادیب ہیں، انھوں نے بیدل کی ایک کتاب اور کچھ مضامین بھی لکھے ہیں، یہ کتاب پٹنہ میں ڈاکٹر سید حسن صاحب کے پاس ہے، خواجہ عینی کے صاحبزادے نے دہلی میں کسی تقریب کے موقع پر ان کو دی تھی، افسوس ہے کہ یہ کتاب روسی زبان میں تھی، اس سے براہ راست استفادے کی شکل نہ نکل سکی، جان ریکا Janrxpha نے Bedil and Dedil کے زیرِ عنوان بیدل پر لکھی

---

[۱] بیدل شناسی ج ۱ ص ۲۔

جانے والی تمام کتابوں کا سروے کیا ہے، مگر اپنی معلومات کی بنیاد خواجہ عینی ہی کی کتاب کو قرار دیا ہے، اور اسی کتاب کے حوالے سے آگے چل کر لکھا ہے،

His mother Tongue was Apparently bengali	یعنی ان کی مادری زبان بظاہر بنگالی تھی"[۱]

حالانکہ کسی تذکرہ نگار نے حتی کہ خود بیدل نے اپنی مادری زبان بنگالی نہیں لکھی ہے، بلکہ یہ مسئلہ بھی طے نہیں ہوسکا ہے، کہ بیدل اردو بھی جانتے تھے، یا نہیں، ان کی طرف کچھ اردو اشعار ضرور منسوب ہیں نکات میر کے حوالے سے وہ بیدل کے اشعار معلوم ہوتے ہیں، مگر دوسرے محققین نے اس سے انکار کیا ہے، انشاء اللہ بیدل کا کلام ریختہ کے عنوان سے ایک مستقل مضمون سپرد قلم کروں گا، یہاں اس کی تفصیلی بحث کا موقع نہیں،

پتہ نہیں خواجہ عینی کے پیش نظر کیا ماخذ رہے ہیں، مگر اس قدر واضح ہے کہ وہ بعض جگہ غلط فہمی کے شکار ہوگئے ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے،

بہرحال، ان پانچوں میں سے جو قول بھی صحیح ہو حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ترک کی مختلف شاخوں کے نام ہیں، اس کے متعلق ناظم الاطبا نے بڑی معلومات افزا تفصیل لکھی ہے جس کا ذکر فائدے سے خالی نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں :

ترکان مدت مدیدی در ترکستان و در اراضی واقع در شمال سکنی داشتند و مختلط نبودند، با نژاد تاتار، و در مایۂ ششم مسیحی کہ قبل از ہجرت باشد، با میران و آسیائے صغیر ہجرت کردند، در آنجا متوقف گشتند، و آن طوائف صحرا نشینی را کہ اغلب اوقات با نہا مرتبط بودند یا از روئے ارتباط و دوستی

---

[۱] History of iranian literatu a by Jan Rage 516.

دیا از جہت تابعیت با خود آوردہ، و در ممالک مفتوحہ و متصرفہ خود سلسلہ ہائے چند تشکیل داد کہ مشہور ترین آنہا سلسلۂ غزنوی و سلسلۂ سلجوقی و سلسلۂ عثمانی ست واز یں طائفہ بزرگ چندین شعبہ عشائر تولید شدہ واگرچہ بسیاری ازاں شعب مفقود شدہ ولے آنانکہ اکنوں موجودند، عبارتند از عثمانی، ترکمان، قرالپن، ازبک، کیرغیز، یاکوت، وچوادش۔"

---

۵ فرہنگ نفیسی، ناظم الاطبا، ج ۱ ص ۵۶-۸۵۵،

سلسلۂ مقالات سلیمان

مولانا سید سلیمان ندوی نے مختلف موضوع پر متعدد ضخیم تصانیف کے علاوہ بہت سے علمی ومذہبی وتاریخی وادبی وتنقیدی مقالات بھی لکھے ہیں، اُن کی وفات کے بعد ہی ان مقالات کی ترتیب تدوین واشاعت کا کام شروع کر دیا گیا تھا، جس کے تین حصے اب تک شائع ہو چکے ہیں، پہلا حصہ تو تمامتر ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہے، اور تیسرا حصہ تمامتر قرآن سے متعلق مقالات پر مشتمل ہے، اور حصہ سوم جو علمی وتحقیقی ہے، اس میں حسب ذیل اہم مضامین ہیں، ہندوستان میں علم حدیث، عرب وامریکہ، کتبخانہ اسکندریہ، حکیم سنائی کے سنین عمر، مرزا بیدل، سفر گجرات کی چند یادگاریں، انڈیا آفس لائبریری میں اردو کا خزانہ، کتب خانہ حمیدیہ بھوپال میں،

قیمت : ۱۲ روپیہ،

"منیجر"

تذکرۂ الٰہی

از جناب ڈاکٹر عبد الحق صاحب شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہندوستان نے فارسی شعروادب کی ترویج وترقی میں جو گرانقدر خدمت انجام دی ہے وہ بہت ہی وقیع اور اہم ہے، اور یہ خدمت صرف شعروادب تک محدود نہیں؛ بلکہ تاریخ وتہذیب، اعمال وافکار کے بہت سے سرچشمے اسی سرزمین سے پھوٹے اور پروان چڑھے، پرانے ادب اور اسالیب کو نئی توانائی بھی یہاں سے ملی ہے، غرناطہ اور بغداد کے سیاسی، علمی اور تہذیبی زوال کے بعد دہلی کی مرکزیت کہیں زیادہ دیرپا اور ہمہ گیر ثابت ہوئی، دور دراز سے علماء، ادیب اور ماہرین فن نے دہلی کو اپنا مسکن قرار دیا، دہلی صرف دار الخلافہ نہیں بلکہ قلب ونظر کی تسکین وتخلیق کا مرکز بھی تھا، فارسی شعروادب نے تہذیب وتاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

ہندوستان نے فارسی شعروادب کی ہمہ گیر خدمت کی، اس کی نئی راہیں نکالیں، اسلوب وآہنگ میں جدتیں پیدا کیں، اس کے اصول مرتب کیے۔ آہنگ شناسی کے اصولوں کا تعین ہندوستان کی اولیات میں ہے، یہ صحیح ہے کہ فارسی تذکرہ نویسی کا آغاز ہندوستان میں ہوا، عوفی کا تذکرہ لباب الالباب فارسی ادب کا پہلا تذکرہ ہے جو یہاں مرتب ہوا، یہ تذکرہ فارسی شعروادب میں سنگ میل ہی نہیں بلکہ چراغ راہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے، بعد کے بیشتر لکھنے والوں نے اسی چراغ سے اپنا چراغ روشن

کیا ہے، اس سلسلے کی ایک مہتم بالشان کڑی عماد الدین محمود بن امیر محبت اللہ اسعد آبادی کا تذکرہ "خزینۂ گنج" ہے، یہ ایک نایاب تذکرہ ہے، جو عہد شاہجہاں میں مرتب ہوا، اس تذکرے کے بارے میں معلومات کے ذرائع محدود ہیں، صرف اشپرنگر اور برلن کے کتب خانے کی فہرست سے اس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، مولف اور تذکرے کے بارے میں اشپرنگر نے خاصی تفصیلات دی ہیں، "تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاک" کے مصنف نے اشپرنگر کے مندرجات کو نقل کیا ہے، معارف جولائی ۷۲ء کے شمارے کے مضمون "فارسی کے چند نایاب تذکرے" میں خزینہ گنج کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مضمون "تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاک" کا ترجمہ ہے، مگر اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

اس مضمون میں اپنے ذاتی کتب خانے میں موجود "خزینہ گنج" کے ایک تیسرے اور قابل قدر نسخے کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، یہ نسخہ اس لیے سب سے زیادہ وقیع اور اہم ہے کہ بڑی حد تک مکمل ہے۔ اسپرنگر نے جس نسخے کا ذکر کیا ہے وہ ناتمام ہے۔ اس میں بیچ بیچ میں بیاض چھوٹی ہوئی ہے، شاعر کا نام ہے تو دوسری تفصیلات نہیں ہیں، کہیں کہیں اشعار نقل کر دیے گئے ہیں، اگر کسی میں کچھ تفصیل ہے تو اشعار نہیں ہیں، لیکن پیش نظر نسخہ کا پورا مسودہ مکمل اور مربوط ہے، اشپرنگر کے نسخے میں مقدمہ اور ترقیمہ دونوں نہیں ہیں، اس نسخے میں مقدمہ تو نہیں لیکن ترقیمہ ہے، جس سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے، اول یہ کہ اس کا نام "تذکرۂ الٰہی" ہے اور یہ اس کی پہلی جلد ہے، اور یہ جلد شعرائے متقدمین کے حالات میں ہے، اشپرنگر نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہ پہلی جلد ہے، اور دوسری جلد کی تکمیل سے پہلے ہی مصنف کی وفات ہو گئی، مولف کا پورا نام عماد الدین محمود المتخلص با لٰہی الحسینی ہے، اشپرنگر نے باپ کا نام محبت اللہ بن

لکھا ہے، لیکن اس نسخہ کے ترقیمے میں امیر محبت اللہ درج ہے، جس سے منتخب الاشعار کی تائید ہوتی ہے، عماد الدین ہمدان کے سادات میں ہیں، عہد جہانگیری میں ہندوستان آئے۔

اسپرنگر کا خیال ہے کہ یہ تذکرہ ۱۰۴۲ھ، ۱۰۵۲ھ، ۱۰۹۳ھ اور ۱۰۹۴ھ کے درمیان لکھا گیا، لیکن موجودہ ترقیمے کی عبارت سے ظاہر ہے کہ ۱۰۹۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تذکرہ مولف کی زندگی میں لکھا گیا، اور یہ مصنف کا اپنا ذاتی نسخہ ہے، یا اس کے قریب تر زمانہ کا ہے، اس لیے کہ کہیں نقل کیے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ الٰہی کی تاریخ وفات کی مختلف روایتوں میں ایک روایت ۱۰۹۴ھ کی بھی ہے، یعنی ۱۰۹۴ھ تک وہ زندہ تھا،

اشپرنگر نے لکھا ہے کہ اس کے پیش نظر جو ناتمام نسخہ ہے وہ خود مولف کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، میرا قیاس ہے کہ زیر تعارف نسخہ خود تذکرہ نگار کا تکمیل کردہ ہے، یا اس کا دیکھا ہوا ہے، ترقیمے کی اصل عبارت حسب ذیل ہے:۔

"تمام شد ایں دفتر اول از تذکرہ الٰہی کہ در ذکر متقدمین شعرائے علیین مکان را روز دوشنبہ (ماہ) شوال بتاریخ ہزار و شصت و پنج مولف ایں تذکرۂ الٰہی عماد الدین محمود المتخلص با لٰہی الحسینی ابن امیر محبت اللہ اسعد آبادی الہمدانی است"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نسخے میں مقدمہ نہیں ہے، غالباً وہ زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا، اشپرنگر نے لکھا ہے کہ یہ ناتمام نسخہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، اور ابن یمین سے شروع ہو کر ہمایوں بادشاہ پر ختم ہوتا ہے، پیش نظر نسخے میں بھی حروف تہجی کی ترتیب ہے، اور ہمایوں یعنی ہ پر ختم نہیں ہوا بلکہ آخری حرف ی یوسف بن شیخ احمد جامی پر ختم ہوتا ہے، چند ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے اس کا آغاز

ابن یمین کے ابو علی سینا کے ذکر سے شروع ہوتا ہے، اسپرنگر نے اپنے نسخے کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں تقریباً چار سو شعراء کا ذکر ہے۔ موجودہ نسخہ اس لیے بھی جامع اور مکمل ہے کہ اس میں تقریباً چھ سو چالیس شعراء کا ذکر ہے، شعرا کا نام سرخ روشنائی سے اور بڑے اہتمام سے لکھا گیا ہے، اکثر و بیشتر حروف تہجی کے بدلتے وقت نئے حرف کو بھی سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ آسانی کے پیش نظر دو الگ الگ جلدوں میں جلد سازی کی گئی ہے، اس کی دونوں جلدیں تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہیں، پہلی جلد میں الف سے غ تک اور دوسری میں ف سے ی تک حروف شامل ہیں، کاغذ کی قدامت ۱۰۹۵ھ پر دلالت کرتی ہے۔ روشنائی بھی اس عہد کی سیاہی کا پتہ دیتی ہے۔ پورا نسخہ خط نستعلیق میں ہے۔ اور بہت ہی بوسیدہ اور جگہ جگہ کرم خوردہ بھی ہے، صفحات کے کنارے خاص طور سے گل گئے ہیں، تحریر بہت روشن اور پختہ ہے، پورا نسخہ ایک قلم، ایک طرح کی روشنائی اور ایک ہی طرح کے کاغذ پر لکھا ہے، کتابت کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں، مخطوطہ عام کتابی سائز (۹ × ۴) کا ہے، اور ہر صفحے میں پندرہ سطریں ہیں، شعرا کا نام شروع کرنے میں نئی سطر یا نئے پیراگراف کا التزام نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ بہت ہی قابل قدر اور اہم ہے، کیونکہ اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ سب سے زیادہ ضخیم، مکمل اور قدیم ترین نسخہ ہے اس کی اشاعت سے فارسی تذکرہ و تاریخ اور اسلوب و آہنگ شناسی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔

ادبیات

غزل

از جناب ڈاکٹر ولی الحق صاحب انصاری

مہبط امید بھی، جلوہ گہ یاس بھی
دل مرا تریاق بھی، ریزۂ الماس بھی

آنکھ سے اوجھل وہی دل میں وہی جلوہ گر
مجھ سے بہت دور بھی میرے بہت پاس بھی

آج سفینہ کا ہے صرف خدا ناخدا
آج ہیں بے دست و پا خضر بھی الیاس بھی

اس گل شاداب کی پوچھ نہ عطر افگنی
جس میں ہو شامل تری نکہت انفاس بھی

پھول ہیں کاغذ ہیں کہ یہ حسن پہ اُن کے نہ جا
رنگ تو دیکھا مگر سونگھ ذرا باس بھی

شکر نہ کیسے کروں مالک کونین کا
بار الم بھی دیا، شدت احساس بھی

آگ لگاتے رہے صحن چمن میں مگر
کس کا جلا آشیاں یہ نہیں احساس بھی

لکھتے ہوئے حال دل خون سے رنگین ہوا
صفحۂ دل کی طرح صفحہ قرطاس بھی

کیوں نہیں اس کو سکوں کیوں ہے یہ سیماب گوں
اب ہے خلش دل میں کیوں ٹوٹ چکی آس بھی

ہاتھ بڑھے کیوں مرا خواہش زر کیوں کروں
مایۂ صد فخر ہے دولت افلاس بھی

سوکھ چکے اشک اور مٹ نہ سکا سوز دل
خشک سمندر نہیں اور نہ بجھی پیاس بھی

فہم پہ سامع کے ہے قدر سخن منحصر
معدن حکمت ہے جو ہے وہی بکواس بھی

سچ ہے ولی زیست کے ناز نہ مجھ سے اٹھے
مجھ کو ولی زندگی آ نہ سکی راس بھی

غزل

از

جناب شرف الدین صاحب ساحل محمد علی روڈ مومن پورہ ناگپور

شکوہ نہیں، ملال نہیں، بد دلی نہیں
کیا ہو گیا جو قدرِ فغاں تم نے کی نہیں

قربان دل کیا نہیں، یا جان دی نہیں
کب میں نے تیرے حکم کی تعمیل کی نہیں

طوفانِ بحرِ غم میں میری کشتیٔ حیات
ڈوبی کچھ اس طرح کہ کنارے لگی نہیں

کچھ اپنی زندگی کا ہی انجام سوچتے
مہلت ترے خیال نے اتنی بھی دی نہیں

برباد کر خوشی سے مگر اتنا سوچ لے
یہ تیری زندگی ہے مری زندگی نہیں

لاکھوں دیئے جہاں میں جلے اور بجھ گئے
شمعِ وفا ہماری جلی تو بجھی نہیں

رخصت ہوئی یہ کہہ کے مرے دل سے اُن کی یاد
اجڑے ہوئے چمن میں کوئی دلکشی نہیں

تم مل گئے تو دولتِ کونین مل گئی
اب میرے دل میں کوئی تمنا رہی نہیں

سمجھائے کون زاہدِ جنت طلب کو یہ
جس میں غرض شریک ہو وہ بندگی نہیں

یہ بھی نگاہِ یار کا انداز خوب ہے
مائل بہ التفات کبھی ہے کبھی نہیں

امید و بیم کی ہوں کشاکش میں مبتلا
ہے عرضِ مدعا پہ کبھی ہاں کبھی نہیں

ترکِ تعلقات کو مدت ہوئی مگر
دل سے کسی کی یاد ابھی تک گئی نہیں

کب وہ بھی دیکھئے مری پرسش کو آئے ہیں
جب مجھ میں عرضِ حال کی طاقت ہی نہیں

افسردگی کا غم بھی گلچیں کا خوف بھی
پھولوں کی زندگی میں خوشی ہی خوشی نہیں

گھبرا کے غم سے موت کی ساحل کروں دعا
بیزار زندگی سے میں اس درجہ بھی نہیں

غزل

از

جناب قمر صاحب سنبھلی

اُن کی محفل سے ہمیں لاکھ پکارا جائے
آ گئے اُٹھ کے تو اب کون دوبارا جائے

فکر کو دل کا لہو دے کے نکھارا جائے
اپنی آواز کو ہر دل میں اتارا جائے

تنگ ہو جائے اگر اُس پہ ترا دامن بھی؟
پھر کہاں گردشِ حالات کا مارا جائے

وہ جو پروازِ تخیل سے بھی بالا ہے اُسے
کیسے الفاظ کے شیشہ میں اُتارا جائے

بھیک میں عشرتِ جاوید بھی مل سکتی ہے
ہم سے دامن کو مگر کیسے پسارا جائے

کچھ تو ہو شرکتِ غم کچھ تو تسلی ہو اُسے
ڈوبنے والے کو ساحل سے پکارا جائے

ذہنِ انساں پہ مسلط ہے قیامت کا جمود
ہے ضرورت کہ اسے آگ سے دھارا جائے

ہے بس اک دامنِ امید مرے ہاتھوں میں
اُن کا منشا ہے قمر یہ بھی سہارا جائے

مطبوعات جدیدہ

اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت

(میر کا عہد)

مرتبہ جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۵۰۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت عـہ؎، پتے جامعہ لمیٹڈ اردو بازار جامع مسجد، دہلی۔ (۲) شمشاد مارکیٹ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

زیر نظر کتاب میں میر کے عہد یعنی اٹھارہویں صدی کی ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا جائزہ لیا گیا ہے، میر کی زندگی، دلی اور لکھنؤ دونوں جگہ بسر ہوئی تھی، اسلئے یہ کتاب دو حصوں میں ہے، پہلے حصہ میں دلی کا اور دوسرے میں لکھنؤ کا ذکر ہے، پہلا حصہ چار اور دوسرا پانچ ابواب پر مشتمل ہے، ان ابواب میں دلی اور لکھنؤ کی سیاسی اور معاشی، ادبی و تمدنی، معاشرتی و سماجی اور مذہبی و اخلاقی حالت دکھائی گئی ہے، پہلے حصہ کی ابتدا میں مغلیہ سلطنت کے انحطاط، دلی پر نادر شاہ اور ابدالی کے حملوں اور روہیلوں، جاٹوں اور سکھوں کی شورشوں اور بغاوتوں کا، اور دوسرے حصہ کے شروع میں اودھ کی ریاست کی مختصر تاریخ اور نوابان اودھ کا مختصر تذکرہ بھی ہے، اقتصادی و معاشی حالات کے سلسلہ میں دونوں جگہ کے سلاطین و امرا کے اسراف، عوام کی معاشی زبوں حالی اور مختلف پیشوں اور اہل حرفہ کی ابتر حالت کا مفصل ذکر ہے، معاشرتی و سماجی حالات کے ذکر میں بڑی تفصیل سے کام لیا گیا ہے، اور پیدائش، شادی بیاہ کی رسموں، مردوں اور عورتوں کے لباس، آرائش و زیبائش کے ساز و سامان،

ماکولات و مشروبات، مسلم تہواروں، میلوں ٹھیلوں، عرسوں، کھیل تماشوں اور ان سے متعلق چیزوں، مدرسوں، خانقاہوں اور ادبی و شعری محفلوں وغیرہ کا ذکر ہے، مذہبی و اخلاقی حالت کے بیان میں بادشاہوں اور امرا کی شعائر دین سے غفلت، فسق و فجور، اخلاق اور کردار کی پستی وغیرہ کا ذکر ہے، دوسرے حصہ کے پانچویں باب میں میر کے لکھنؤ کے آخری دور اور وفات کے مختصر واقعات دیے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب دلی اور لکھنؤ کی تہذیب کا مرقع ہے، مگر زیادہ تر اس کا تاریک رخ پیش کیا گیا ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ اس دور میں سیاسی زوال کے ساتھ اخلاقی زوال بھی آگیا تھا، اور اسکے بارہ میں جو کچھ بھی کہا جائے سب صحیح ہے، لیکن اسی کے ساتھ اسکے تہذیبی تکلفات اور معاشرتی نفاستوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً اہل لکھنؤ نے تہذیب و معاشرت میں ایسی جدتیں اور نفاستیں پیدا کیں کہ ان کی تہذیب معیار بن گئی جس کی تصویر گذشتہ لکھنؤ میں نظر آتی ہے، اس کو مصنف نے بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ہے، یہ کتاب میر کی سیرت و شخصیت اور فنی کارناموں کو واضح کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، اس لیے اس عہد کے حالات و کوائف تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، مگر صرف واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، یہ نہیں دکھایا گیا ہے کہ میر کی شاعری پر اس کے کیا اثرات مترتب ہوئے، معلومات کی فراہمی میں اس دور کے شعر و ادب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، مگر دوسرے شعراء کے مقابلہ میں میر کے کلام سے کم فائدہ اٹھایا گیا ہے، بعض غیر مستند روایتیں اور واقعات بلا حوالہ نقل کر دیے گئے ہیں، مثلاً غدیر خم سے متعلق روایت اور شاہ عبد العزیز دہلوی کے چھپکلی کا ابٹن لگائے جانے کا واقعہ جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے، شروع میں نثار احمد فاروقی صاحب کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ میں میر کی فنی عظمت دکھائی گئی ہے، اور ان پر تحقیقی کام کی کمی کا شکوہ کیا گیا ہے، اور آئندہ

کاموں کا مختصر خاکہ بھی دیا گیا ہے۔

۱- نگارشات بہادر یار جنگ، ۲- بہادر یار جنگ کے خطوط مشاہیر کے نام، ۳- مکتوبات بہادر یار جنگ، ۴- مکاتیب بہادر یار جنگ، ۵- تاثرات بہادر یار جنگ، ۶- بہادر یار جنگ کی ڈائری	مرتبہ جناب نذیر الدین احمد صاحب تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت بہتر صفحات بالترتیب ۱۱۲-۳۱۳-

۱۵۵-۱۳۲-۱۵۴-۲۶۶- قیمت ۵؍ پیسے- عگر ۵؍ پیسے- عہ پیسے- ۵؍ پیسے عگر

پتہ:- حیدر اینڈ سنس مچھلی کمان، حیدرآباد۔

نواب بہادر یار جنگ مرحوم بڑے اولوالعزم مسلمان اور صحیح معنوں میں مجاہد اسلام تھے، وہ ہمیشہ دینی و ملی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، خصوصاً دکن کے مسلمانوں میں ایمانی حرارت اور ملی بیداری پیدا کرنے میں ان کا بڑا حصہ رہا ہے، وہاں کی تحریک اتحاد المسلمین میں ان کی بدولت بڑی جان پڑ گئی تھی، اور وہ ان کی صدارت کے زمانہ میں مسلمانان دکن کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی تھی، گو مرحوم ایک عملی انسان تھے، اور ان کی پوری زندگی عملی جدوجہد میں گذری لیکن ان کا علمی و ادبی ذوق بھی بلند تھا، اور خطابت میں تو یگانہ تھے، ان کی کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں، ان کی وفات کے ربع صدی سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد ان کے ایک لائق قدردان جناب نذیر الدین احمد صاحب کو ان کی تحریروں کی اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ اس سلسلہ کی دس کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں مگر ہم کو صرف مذکورہ بالا چھ کتابیں موصول ہوئی ہیں۔ اول الذکر کتاب نواب صاحب مرحوم کے مختصر اصلاحی و مذہبی مضامین اور بعض دوسرے اہل قلم کی کتابوں پر مقدمے اور تبصروں اور تاثرات وغیرہ کا مجموعہ ہے، دوسری میں مذہبی و سیاسی رہنماؤں اور دوسرے اہل علم کے نام مرحوم کے خطوط درج ہیں، مسلم لیگ کے متعدد سرکردہ لیڈروں، قائد اعظم محمد علی جناح، نواب زادہ لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین،

غلام محمد سابق گورنر جنرل پاکستان، شہید سہروردی، جنید بیگ، چودھری خلیق الزماں، محمد یعقوب خاں، سکندر حیات خاں، اور راجہ صاحب محمود آباد وغیرہ، دوسرے مشاہیر میں ڈاکٹر ذاکر حسین، شیخ عبداللہ، نواب چھتاری، اکبر علی خاں گورنر اتر پردیش، سید قاسم رضوی، میر لائق علی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین، عنایت اللہ خاں مشرقی، سلام الدین خاں، سابق وزیر ریاست بھوپال مہدی یار جنگ اور علی یاور جنگ، اور علماء و مشائخ میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے ناموں سے اس مجموعہ کی اہمیت ظاہر ہے، ان خطوط میں مختلف مذہبی، قومی اور سیاسی مسائل کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے، اور ان سے مکتوب نگار کی ملی و دینی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ مکتوبات بہادر یار جنگ میں بھی بعض اداروں کے ذمہ داروں اور اخباروں و رسالوں کے اڈیٹروں کے نام خطوط ہیں، اور ۳۳ء میں ہندوستان آنے والے فلسطینی وفد سے متعلق خط و کتابت بھی شامل ہے، اور آخر میں "گفتگوئے مفاہمت" کے زیر عنوان نواب صاحب اور نرسنگ راؤ کی مراسلت نقل کی گئی ہے، اس کی حیثیت تاریخی دستاویز کی ہے، دوسرے خطوط میں سیاسی، ادبی اور اقتصادی تحریکوں اور مسلمانوں کے مسائل کا ذکر مذکور ہے، اس لیے وہ بھی اہمیت سے خالی نہیں، چوتھی کتاب تقریباً دو سو خطوط کا مجموعہ ہے اور اس سے بھی گذشتہ دور کی سیاسی و ملی سرگرمیوں کا خاکہ سامنے آتا ہے، پانچویں کتاب میں بہادر یار جنگ مرحوم نے بعض اداروں، تحریکوں، کتب خانوں اور اشخاص کے متعلق اپنے تاثرات، پیغامات، بیانات، رائیں اور رپورٹیں تحریر کی ہیں، آخری کتاب ان کی ذاتی ڈائری ہے، اس میں انھوں نے ۲۷ء و ۲۸ء میں اپنے روزمرہ کے مشاغل و معمولات قلمبند کیے ہیں، اس سے ان کی

مشغول زندگی اور روزانہ کے کاموں کا اندازہ ہوتا ہے، یہ سب مجموعے ادبی حیثیت سے دلچسپ اور قوم و ملت کے لیے سبق آموز ہیں، اور ان سے نواب صاحب مرحوم کی سیرت و شخصیت کے خط و خال بھی نمایاں ہوتے ہیں اور قومی و ملی جذبہ اور دینی و ایمانی حرارت کا ایسا مرقع بھی سامنے آتا ہے جو نوجوانوں کے لیے سرمایۂ بصیرت ہے۔ فاضل مرتب نے ان مجموعوں کو شائع کر کے ایک مفید قومی و ادبی خدمت انجام دی ہے۔ ہر کتاب میں نواب صاحب اور بعض دوسرے حضرات کے فوٹوؤں کا عکس بھی دیا گیا ہے۔

نذرِ سجاد — مرتبہ جناب عبدالقوی دسنوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۴۰۰، قیمت تحریر نہیں، پتہ: سیفیہ کالج، بھوپال۔

سیفیہ کالج بھوپال کے طلبہ و اساتذہ نے اپنے محسن اور کالج کے بانی ملا سجاد حسین مرحوم کی خدمات کے اعتراف میں یہ کتاب شائع کی ہے، گو ملا صاحب ایک کامیاب تاجر اور کم پڑھے لکھے شخص تھے، لیکن ان کو قومی اور تعمیری کاموں سے بڑی دلچسپی تھی، خصوصاً علمی و تعلیمی اداروں پر کافی صرف کرتے تھے، اس لیے ان کے حالات ان اصحاب ثروت کیلیے سبق آموز ہیں جن کی دولت ان کے ذاتی تعیشات ہی کے لیے وقف رہتی ہے، یہ کتاب کئی حصوں میں تقسیم ہے، ابتداء شعراء کا خراج عقیدت ہے، اس کے بعد ملا صاحب کے حالات و خدمات، اوصاف و کمالات اور فیاضی و سخاوت وغیرہ کے متعلق مضامین ہیں جن میں کہیں کہیں مبالغہ پیدا ہو گیا ہے، تیسرے حصہ میں کالج کی تعمیر و ترقی اور اس کے پرائمری اسکول سے پوسٹ گریجویٹ کالج ہونے تک کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، اور مختلف شعبوں کی کارگذاریوں اور ملا صاحب اور ان کے صاحبزادوں اور کالج کے متوسلین کی خدمات کا مختصر خاکہ ہے، اس حصہ میں شعبۂ تاریخ کیمیا اور نباتات کے متعلق مضامین بھی ہیں، اور دو مضامین میں شعبۂ اردو کے تصنیفی و تحقیقی

کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے، "ماحول" کے زیر عنوان بھوپال کی تاریخ اور اس کی خصوصیات سے متعلق مضامین کے علاوہ یہاں کی ممتاز شخصیتوں نواب صدیق حسن خاں صاحب، اور ملا رموزی وغیرہ کا سوانحی خاکہ بھی تحریر کیا گیا ہے، آخر میں لائق مرتب عبدالقوی دسنوی صاحب کا تحقیقی اور بہرحال مقالہ "خطوط غالب" درج ہے،

یہ کتاب ملا صاحب کی سبق آموز زندگی کا مرقع اور ان کی یادگار سیفیہ کالج کی خدمات اس کے مختلف شعبوں کی کارگذاریوں اور تاریخی، سوانحی اور ادبی و تحقیقی مضامین کا اچھا مجموعہ اور محنت و خوش سلیقگی سے مرتب کیا گیا ہے،

انتخاب دیوان مومن — مرتبہ جناب حامد حسن قادری مرحوم، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۰۰، قیمت عہ ناشر انجمن ترقی اردو ہند دہلی۔

مرزا غالب کی طرح مومن کے کلام کو بھی اس کی نازک خیالی نے مشکل بنا دیا ہے، مگر غالب کا عشر عشیر بھی اس کی جانب توجہ نہیں کی گئی، عرصہ ہوا مولوی ضیاء احمد بدایونی مرحوم نے بڑے اہتمام سے مومن کا دیوان ترتیب دے کر مع شرح کے شائع کیا تھا، یہ نیا انتخاب اور شرح اُردو کے مصنف اور دیدہ ور ادیب و ناقد مولانا حامد حسن قادری مرحوم کے قلم کا نتیجہ ہے، اس میں اشعار کے مطالب اور ان سے متعلق بعض ضمنی امور اور شعر و ادب کے دلچسپ نکات مومن کے اسلوب بیان کے پیچ و خم، تخیل کی نزاکت اور بلندی و پستی اور زبان و محاورہ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے، کہیں کہیں معاصرین کے کلام سے موازنہ بھی کیا گیا ہے، یہ انتخاب ہے مکمل کلام کی شرح نہیں ہے، مگر بلند پایہ اشعار کے ساتھ معمولی درجے کے اشعار بھی دیے گئے ہیں، تاکہ مومن کا رنگ پوری طرح ظاہر ہو جائے،

عقدِ ثریا، چمنستان شعراء، تذکرہ بزم سخن و طور کلیم — مرتبہ جناب عطاء الرحمٰن صاحب عطا کاکوی سا

تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت قدرے بہتر، صفحات بالترتیب ۶۴-۹۶-۱۲۸

قیمت اول ودوم ۶/ عہ وسوم سعہ، پتہ: عظیم الشان بکڈپو، سلطان گنج، پٹنہ -۶

یہ تینوں رسالے اردو شعرا کے تذکرے ہیں، ان میں اول الذکر شیخ غلام ہمدانی مصحفی کا ہے، مصحفی نے اردو اور فارسی شعرا کے تین تذکرے لکھے تھے، عقد ثریا اصلاً فارسی شعرا کے تراجم پر مشتمل ہے، لیکن اس میں ۵۴ ایسے شعرا کا تذکرہ بھی ہے جو اردو و فارسی دونوں میں داد سخن دیتے تھے، لائق مرتب نے ان شعرا کے حالات علحدہ مرتب کرکے مناسب ترمیم واضافہ کے بعد شائع کیے ہیں، دوسرا تذکرہ لچھمی نرائن شفیق کی تصنیف اور اردو کے اہم تذکروں میں ہے، یہ دونوں تذکرے مدت ہوئی بابائے اردو مولوی عبد الحق مرحوم کے فاضلانہ مقدموں کے ساتھ چھپے تھے، مگر اب نایاب اور فارسی میں ہونے کی وجہ سے ان کا فائدہ محدود تھا، اس لیے لائق مرتب نے بیجا طوالت، غیر ضروری تکرار اور نمونے کے اشعار وغیرہ حذف کرکے ان کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے، آخری کتابچہ دو تذکروں کا مجموعہ ہے، جو نواب صدیق حسن خاں کے فرزندوں علی حسن خاں اور نور الحسن خاں کی یادگار ہیں، یہ دونوں کمیاب اور فارسی میں تھے، لیکن فائدہ سے خالی نہ تھے، اسلیے جناب عطا کاکوی صاحب نے ان کا ترجمہ و تلخیص بھی شائع کی ہے، چمنستان شعرا کی ابتدا میں لائق مرتب کے قلم سے ایک قابل ذکر مقدمہ ہے، اس میں اردو تذکرہ نگاری کی مختصر تاریخ اور مصنف کے مختصر سوانح وکمالات اور اس تذکرے کی خصوصیات وغیرہ تحریر کی گئی ہیں، ان تذکروں کے ترجمہ و تلخیص کی اشاعت ایک مفید ادبی خدمت ہے۔

"ض"

جلد ۱۱۴ ماہ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۷۴ء عدد ۵

مضامین

ایک ضروری تصحیح:- ماہ اکتوبر میں ظفرنامۂ اکبری کے صاحب مضمون کا نام مظفر حسین غلط چھپ گیا ہے، صحیح منظر حسین ہے، ناظرین تصحیح فرمالیں۔ "م"